28

ہفت روزہ

# ندائے خلافت

لاہور

19 تا 25 جولائی 2007ء/3 تا 9 رجب 1428ھ

www.tanzeem.org

## اس شمارے میں

قومی جرم

سانحۂ لال مسجد اور سانحۂ کربلا

حکومتی رٹ اور احکم الحاکمین کی رٹ

اسلامی دنیا، طاغوت اور علماء

ترکی میں مغربیت اور اسلام کی کشمکش

باغی کی موت

انتہا پسند کون؟

دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

عالم اسلام

## وقت کا فاتح

بڑوں بڑوں کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سروسامان واسباب کار فراہم نہیں۔ لیکن وقت کا عازم وفاتح اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا، تو میں اس کو ساتھ لوں گا۔ اگر سروسامان نہیں، تو اپنے ہاتھوں سے تیار کروں گا۔ اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اترنا چاہیے۔ اگر آدمی نہیں ملتے، تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہیے۔ اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہوگئی ہیں، تو پتھروں کو چیخنا چاہیے۔ اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا مضائقہ، درختوں کو دوڑنا چاہیے۔ اگر دشمن بے پناہ ہیں، تو آسمان کی بجلیوں کی بھی کوئی گنتی نہیں۔ اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں، تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہوگیا کہ راہ صاف نہیں کرتے!

وہ زمانے کی مخلوق نہیں ہوتا کہ زمانہ اس سے اپنی چاکری کرائے، وہ اپنے عہد کا پالنے والا ہوتا ہے، اور زمانے کے حکموں پر نہیں چلتا، بلکہ زمانہ آتا ہے، تاکہ اُس کی جنبشِ لب کا انتظار کرے۔ وہ دنیا پر اس لیے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے جس سے دامن بھرلوں! وہ یہ دیکھنے کے لیے آتا ہے کہ کیا کیا نہیں ہے، جس کو پورا کردوں۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

# سورۃ الانعام

(آیات: 7 تا 10)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾

''اور اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے، اور یہ اُسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے، تو جو کافر ہیں، وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف اور) صریح جادو ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبرؐ) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا (جو اُن کی تصدیق کرتا)۔ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا، پھر انہیں (مطلق) مہلت نہ دی جاتی۔ نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہ (اب) کرتے ہیں اُسی شبے میں انہیں پھر ڈال دیتے۔ اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں۔ سو جو لوگ اُن میں سے تمسخر کیا کرتے تھے اُن کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔''

آیت نمبر 7 اس سورت کی اہم آیت ہے۔ اور یہ اس سورہ کا مرکزی مضمون ہے۔ قریش آپؐ پر برابر دباؤ ڈال رہے تھے کہ کوئی حسی معجزہ دکھائیں۔ مثال کے طور پر اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر مردہ زندہ کیجئے، آسمان پر چڑھ کر دکھایئے، مکہ میں کوئی باغ بنا کر دیجئے، یہاں کوئی نیا چشمہ نکال دیجئے، کوئی سونے چاندی کا محل بنا دکھایئے، یا یہ کہ آپؐ کتاب لے کر آسمان سے اتر رہے ہوں اور ہم آپؐ کو دیکھیں۔ ادھر یہ مطالبات ہو رہے تھے، اُدھر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ ہم نے ایسا معجزہ نہیں دکھانا۔ حق کے طالب کے لیے ہم قرآن نازل کر رہے ہیں، یہی معجزہ ہے۔ اندازہ کیجئے کہ حضور ﷺ کی جان مبارک کس قدر ضیق میں آچکی تھی۔ اُدھر وہ معجزہ مانگ رہے تھے کہ اگر تم واقعی نبی اور رسول ہو تو یہ کر کے دکھاؤ، ادھر اللہ کا اٹل فیصلہ کہ ہم اِس قسم کا کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی! اگر ہم آپ پر ایسی کتاب اتار دیں جو کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو اور پھر یہ اُسے اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیں، تو بھی ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ اُس وقت یہ کافر یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے، جس نے ہماری آنکھوں کو متاثر کر دیا ہے۔ یعنی معجزہ دیکھ کر بھی یہ لوگ ماننے والے نہیں۔ معجزہ نہ دکھانے میں یہ حکمت ہے کہ معجزہ دکھانے کے بعد مہلت ختم ہو جائے گی اور پھر عذاب آجائے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ اُن کی مہلت کو جلد ختم نہیں کرنا چاہتا، شاید کچھ اور لوگ دعوت حق کو قبول کرلیں۔

اور وہ کہتے ہیں، کیوں نہیں اترا اُن پر کوئی فرشتہ، جسے ہم بھی آتا دیکھتے، مگر بات یہ ہے کہ اگر ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو پھر تو فیصلہ ہی چکا دیا جاتا اور انہیں کوئی مہلت نہ دی جاتی۔ اِس دنیا کی زندگی میں ساری آزمائش تو غیب کے پردے کی وجہ سے ہے۔ غیب کا پردہ اٹھ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امتحان ختم ہوا اور نتیجہ کے declare کرنے کا وقت آگیا۔

اور اگر ہم اس کو فرشتہ بنا کر بھیج دیتے یعنی کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجتے تو اُسے بھی ہم نے انسان بنا کر بھیجنا تھا کیونکہ اُسے انسانوں میں آنا تھا۔ فرشتوں میں بھیجنا ہوتا تو فرشتہ بھی بھیجتے۔ انسانوں میں تو انسان نے ہی آنا تھا۔ چنانچہ فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجنے میں بھی اُنہیں وہی التباس ہوتا تھا، جو اس وقت ہو رہا تھا۔ آپ نے حدیث جبریل میں دیکھا کہ وہ انسانی شکل میں آئے تو لوگوں کو مطلق پتہ نہ چلا کہ وہ جبریل ہیں۔

اے نبی آپؐ دل گرفتہ نہ ہوں۔ یہ تضحیک و تمسخر صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں ہو رہا۔ آپؐ سے پہلے بھی رسولوں کا اسی طرح مذاق اڑایا گیا۔ حضرت نوحؑ کا لوگوں نے کیسا مذاق اڑایا ہوگا۔ اُن کا دور تو ساڑھے نو سو سالوں پر محیط تھا۔ اللہ کے اس بندے نے وہ سب کچھ برداشت کیا۔ بالآخر ان لوگوں کو اسی چیز (یعنی عذاب الٰہی) نے گرفت میں لے لیا، جس کا وہ استہزا کرتے تھے۔ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ جس چیز کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں اُن کو دکھا کر اُن کی زبانیں بند نہ کی جائیں، بلکہ راہ راست پر آنے کے لئے انہیں کچھ مزید مہلت دی جائے۔

فرمان نبویؐ

# کھاؤ، پہنو، مگر استکبار اور اسراف سے بچو

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَ تَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ یُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلَا مَخِیْلَةٌ)) (رواہ احمد و نسائی و ابن ماجہ)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اجازت ہے کھاؤ، پیو، دوسروں پر صدقہ کرو، اور کپڑے بنا کر پہنو، بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو۔''

**تشریح**: کھانے پینے کی چیزیں اور لباس اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ جس کو اچھی خوراک اور اچھا لباس میسر ہو اُسے ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت ہے۔ شرط یہ ہے کہ نہ تو اسراف ہو اور نہ دل میں فخر اور تکبر ہو اور چاہیے پھر یہ کہ آدمی ان خداداد نعمتوں سے دوسرے ضرورت مندوں کی کھانے اور لباس سے مدد کرے۔

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# قومی جرم

جب انسان کا جسم اُس کے ضمیر کا مقبرہ بن جائے، جب نفسانی خواہشات اُسے مکمل طور پر دبوچ لیں، جب انسان کی روحانیت اُس کی حیوانیت کے ہاتھوں دم توڑ جائے، جب گناہوں کے داغ دل کو سیاہ پتھر بنا دیں، آنکھیں ہوں لیکن انسان دیکھ نہ سکے، کان ہوں لیکن سن نہ سکے اور دل ہو لیکن سوچ نہ سکے، تب وہ اقبال کا درندہ بے چنگ بن جاتا ہے۔ یاد رہے، درندوں کی بھی دو اقسام ہیں۔ شیر بھی درندہ ہے لیکن جب پیٹ بھرا ہو تو شکار کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا، جبکہ بعض درندے خون پی کر سیر ہو بھی جاتے ہیں تو شغلاً چیر پھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ نائن الیون سے لے کر لال مسجد تک مسلمانوں کو دوسری قسم کے درندوں سے پالا پڑا ہوا ہے۔ کب تلک چیر پھاڑ کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ بش اینڈ کمپنی سے یا یہود و ہنود سے گلہ کرنا تاریخ سے ناآشنائی کا مظہر ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی بڑی طاقت اور چھوٹا ظرف یکجا ہوئے تو غیر اقوام اور غیر مذہب لوگوں کی شامت آ گئی۔ انسانی بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ کھوپڑیوں کے مینار بنے۔ انسانی خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ لیکن یہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ کوئی حکمران اپنی ہی قوم اور اپنے ہم مذہب لوگوں کو سات سمندر پار کسی قوت کا ایجنٹ بن کر دن رات تہ تیغ کرتا رہے۔

سانحہ لال مسجد کا صاحبِ اقتدار کو یہ صلہ تو ملا ہے کہ ناراض ہوتے ہوئے بش نے اپنا دستِ شفقت ایک بار پھر مشرف کی پشت پر رکھ دیا اور مبارک و سلامت کا ہنگامہ برپا کر دیا ہے۔ کنڈ ولیزا رائس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ہم مشرف کے بغیر پاکستان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یعنی مشرف نے سینکڑوں یا شاید ایک ہزار سے زائد مسلمانوں کو قربان کر کے اپنے تئیں اپنی کرسی مضبوط کر لی۔ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا اِس وقت امریکی ایجنڈے کی آئیٹم نمبر ایک ہے۔ نائن الیون کا تو ڈرامہ ہی اس لیے رچایا گیا تھا کہ مسلمانوں کی نسل کشی کی جائے۔ کسنجر ڈاکٹرائن کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ایران، پاکستان اور افغانستان کو بدامنی اور بدترین سیاسی عدم استحکام میں مبتلا کر دیا جائے۔ عراق میں امریکی فوجوں کے داخلے کا مقصد تو تیل کی لوٹ مار اور اسرائیل کے تحفظ کو پیدا ہونے والے معمولی سے امکان کو بھی ختم کرنا تھا۔ اسرائیل محفوظ ہو گیا۔ البتہ مزاحمت کاروں نے تیل کی لوٹ مار کو مستقل نہیں ہونے دیا، لہٰذا جتنا لوٹ لیا اُتنا ہی سہی۔ اب وہاں سے واپسی ہے۔ البتہ شیعہ سنی تصادم کے ایسے بیج بو دیئے ہیں کہ وہاں امن تا قیامت ہوتا نظر نہیں آتا۔ اب تمام تر توجہ کا مرکز کسنجر ڈاکٹرائن کا طے شدہ علاقہ بنے گا۔ یہ بات بھی نوٹ کی جانی چاہیے کہ عراق پر قبضے کے معاملہ میں امریکہ اور یورپ میں اختلافات موجود تھے۔ اور عراق سے انخلاء کا مطالبہ ہر طرف سے کیا جا رہا ہے جبکہ افغانستان میں موجودگی کے بارے میں یورپ اور امریکہ میں مکمل اتفاق ہے۔ اُسی پلان کے تحت پاکستان میں یہ حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں کہ صوبہ سرحد میں فوج اور عوام کے درمیان کھلا تصادم شروع ہو گیا ہے اور امریکہ کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے یہ اعلان ہوا ہے کہ ہم پاکستان کے مغربی علاقوں میں کارروائی کریں گے اور اس کے لیے ہمیں مشرف کو اطلاع دینا بھی ضروری نہیں۔

ہمارے شمال مغربی اور قبائلی علاقوں میں سیکورٹی اہلکاروں پر حملے یقیناً اُس ظلم و ستم کا ردِ عمل ہے، جو لال مسجد میں ظالم اور بے ضمیر حکمرانوں نے کیا، لیکن ہمیں دو نکات پر غور کرنا ہوگا۔ اوّلاً یہ کہ خودکش حملوں میں عام فوجی یا سپاہی مارا گیا ہے، جو لال مسجد میں ہونے والے ظلم کا براہِ راست ذمہ دار نہیں۔ کسی بھی دینی یا دنیوی قانون کے تحت ہم قاتل کے بیٹے، باپ یا بھائی کو قتل نہیں کر سکتے۔ ثانیاً یہ کہ اگر فوج اور عوام میں تصادم ہوتا ہے، تو گویا ہم کسنجر ڈاکٹرائن کے عین مطابق ٹریپ ہوتے ہیں اور دشمن کو آگے بڑھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مشرف حکومت کو مزید برداشت کرنا بھی اسلام اور پاکستان کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہے۔ لیکن خودکش حملوں اور پرتشدد ذرائع کی بجائے وکلاء کی تحریک کو ذریعہ بنایا جائے، اِس لیے کہ ایک دوسرے کا سر کاٹنے کی بجائے ہر ایک کو اپنے مقام پر پہنچایا جائے اور اپنی حدود میں مقید کیا جائے یعنی فوج بیرکوں میں جائے اور سیاست دان سیاست کریں۔ اگرچہ ہم سمجھتے ہیں (باقی صفحہ 13 پر)


"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"

قیامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 19 تا 25 جولائی 2007ء — 3 تا 9 رجب المرجب 1428ھ — شمارہ 28

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیرِ مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
67۔اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقامِ اشاعت 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 250 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے


ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

# مسجدِ قرطبہ

**(ہسپانیہ کی سرزمین بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)**

(دوسرا بند)

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام — جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ — عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اُس پر حرام
تُند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو — عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا — اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام!
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ ﷺ — عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام!
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک — عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنود — عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام!
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات — عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

(جاری ہے)

---

1۔ اُس نقش (معجزہ ہائے ہُنر) میں دوام کی صفت پائی جاتی ہے، جسے کسی مردِ مومن نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہو، کیونکہ مومن اُس کام کو، عشق کی وساطت سے انجام دیتا ہے، اور عشق چونکہ زمانِ مسلسل سے بالاتر اور جہات سے آزاد ہوتا ہے (اُس کا تعلق زمانِ خالص سے ہوتا ہے) اس لیے زمانِ مسلسل اس کے کارناموں کو فنا نہیں کرسکتا۔

2۔ اِس بند کے باقی تمام اشعار میں اقبال نے عشق کی صفات بیان کی ہیں۔ عشق، مومن کے اعمال و افعال میں رنگِ دوام پیدا کر دیتا ہے، اور چونکہ عشق اصلِ حیات ہے، اس لیے اُس پر فنا طاری نہیں ہوسکتی۔

3۔ زمانے کی رَو اگرچہ تیز و تند سیلاب کی مانند ہے، لیکن عشق زمانے سے بھی بڑا سیلاب ہے۔ اس لیے وہ زمانے پر غالب آ جاتا ہے اور اُس کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، عشق زمانے کا بڑی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ زمانہ ہر شے کو ہلاک کر دیتا ہے، لیکن عشق اور اُس کے کارناموں پر اس کا قابو نہیں چلتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق اپنی ذات میں زمانے کی دست بُرد سے بالاتر ہے۔

4۔ عشق میں ابدیت یا جاودانی کی صفت پائی جاتی ہے، اس لیے اِس کی تقویم میں عصرِ رواں کے علاوہ اور بھی بہت سے زمانے ہیں، جن سے دنیا والے واقف نہیں ہیں۔ اسی لیے ہماری زبان میں اُن کے نام وضع نہیں کیے گئے۔

5۔ عشق کوئی مادی یا دنیاوی کثیف شے نہیں ہے، بلکہ نہایت پاکیزہ اور رُوحانی بلکہ آسمانی جوہر ہے۔ اِس حقیقت کو اقبال نے دمِ جبریل اور دلِ مصطفیٰ سے واضح کیا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عشق کی عظمت، رفعت، پاکیزگی، طہارت اور روحانیت کے اظہار کے لیے، ان دو ناموں سے بڑھ کر کوئی نام ذہن میں نہیں آ سکتا۔ دوسرے مصرع میں اقبال نے پہلے مصرعے کا مطلب بیان کیا ہے، یعنی اللہ کے رسول سے مُراد دلِ مصطفیٰ ہے اور خُدا کے کلام سے مُراد دمِ جبریل ہے۔

6۔ اقبال کہتے ہیں کہ مٹی کے پتلے یعنی انسان میں جو یہ تابناکی، یہ چمک دمک، یہ روشنی اور یہ روحانیت نظر آتی ہے یہ سب عشق ہی کا کرشمہ ہے۔ ''کاس الکرام'' کے لغوی معنی ہیں، فراخ دل اور سخی ے نوش کا پیالہ، جس سے دوسرے بھی سیراب ہوتے ہیں۔ یہ مشہور ترکیب عربی کے اِس شعر سے لی گئی ہے:

شربنا وصبنا علے الارض جرعة
فللارض من کاس الکرام نصیب

ترجمہ: جب ہم نے شراب پی تو اس کا ایک گھونٹ زمین پر بھی بہا دیا۔ پس ثابت ہُوا کہ سخی کے پیالے میں زمین یعنی دوسروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔

اقبال کہتے ہیں کہ عشق وہ شراب ہے جس کا نشہ بہت تیز ہوتا ہے اور عشق وہ پیالہ ہے جس سے ہر شخص کو فیض پہنچتا ہے، یعنی عاشق کا وجود، دنیا والوں کے حق میں باعثِ رحمت ہوتا ہے۔

7۔ عشق شریعتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا محافظ اور شارح ہے اور عشق مجاہدوں کی فوج کا سردار ہے، یعنی عشق ہی مومنوں کا دل میں جذبۂ جہاد پیدا کرتا ہے۔ عشق چونکہ ''ابن السبیل'' (یعنی مسافر) ہے، اس لیے اس کے ہزاروں مقامات ہے۔ اقبال نے عشق کو مسافر سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ عشق ہی کی بدولت سالک روحانی منازل طے کرتا ہے۔

8۔ اگر عشق نہ ہوتا تو زندگی کے ساز سے کوئی نغمہ برآمد نہ ہوتا، یعنی زندگی ہی موجود نہ ہوتی۔ نیز عشق ہی کی بدولت زندگی میں شانِ جمال اور شانِ جلال پائی جاتی ہے۔

اِس بند کے مطالعے سے قارئین پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اقبال عشق کو کائنات کی تخلیق کا سبب یقین کرتے ہیں۔ وہ اس ضمن میں مرشد رومیؒ کے سچے مقلد ہیں جو فرماتے ہیں:

در دو عالم ہر کجا آثارِ عشق
ابنِ آدم سرے از اسرارِ عشق

# سانحہ لال مسجد اور سانحہ کربلا

**لال مسجد انتظامیہ نے اسلامی نظام کے غلبے کے لئے جدوجہد کر کے علماء کرام پر اتمام حجت کر دیا ہے۔ اگر علماء نے اُن کے طریقہ کار سے اختلاف کیا ہے، تو اُن پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ صحیح طریق کار کے لئے قوم کی رہنمائی کریں اور اُس طریق پر چلتے ہوئے اسلامی نظام کے قیام کے لئے قدم بڑھائیں۔**

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 13 جولائی 2007ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

لال مسجد اور جامعہ حفصہ انتظامیہ کے خلاف جس حکومتی آپریشن کا آغاز گزشتہ ہفتے ہوا تھا، اب وہ اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ آپریشن سائلنس کے نام سے حکومت نے ظلم و بربریت کا جو مظاہرہ کیا اور اُس کے نتیجے میں مولانا عبدالرشید غازی اور مدرسہ کے سینکڑوں طلبہ وطالبات کی جو شہادت ہوئی ہے، اُس پر ہر آنکھ اشکبار اور ہر دل افسردہ ہے۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو ''فتح'' کر کے جنرل پرویز مشرف نے جہاں کارگل میں ہونے والی شکست کا داغ دھونے کی کوشش کی ہے، وہاں اِس آپریشن کا اصل مقصد اور مدعا مائی باپ امریکہ، اور انڈیا کو خوش کرنا، اور اپنے اقتدار کے تحفظ اور تسلسل کے لئے امریکی حمایت حاصل کرنا تھا۔ اگر یہ بات پیش نظر نہ ہوتی تو مسئلہ پرامن طریقے سے حل کیا جاتا۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ جان بوجھ کر کوشش کی گئی کہ مسئلہ پرامن طور سے حل نہ ہو۔ اِس سلسلے میں حکومتی بدنیتی کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔

چنانچہ جب بھی مسئلہ کے حل کے لئے مذاکرات ہوئے اور اُن میں مثبت پیش رفت ہوئی تو ''نادیدہ ہاتھ'' انہیں سبوتاژ کرتا رہا۔ اِن مذاکرات میں جو باتیں طے ہوئیں، انتظامیہ اُن پر عمل درآمد میں رکاوٹ بن گئی۔ اور کون نہیں جانتا کہ انتظامیہ کی ڈور فردِ واحد کے ہاتھ میں ہے، یعنی جنرل پرویز مشرف، اور چونکہ وہ خونریزی کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے، لہٰذا مذاکرات کامیاب نہیں ہوئے۔ آخری شب بھی مولانا عبدالرشید غازی کے ساتھ چودھری شجاعت حسین اور علماء کے جو مذاکرات ہوئے، اُن میں بھی فریقین کا ایک پُرامن حل پر اتفاق ہو گیا تھا مگر ایوان صدر ایک مرتبہ پھر اس حل کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔ صدر نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر کے اِس حل کو Reject کر دیا۔ قوم یہ پوچھنے کا حق رکھتی ہے کہ اگر جنرل پرویز مشرف اپنی ہی حکومت کے نمائندوں کا فیصلے ماننے کو تیار نہ تھے، تو پھر مذاکرات کیوں کئے جا رہے تھے۔ اِن کا کیا مقصد تھا۔

صدر پرویز کا یہ کہنا کہ مذاکرات عسکریت پسندوں کی وجہ سے ناکام ہوئے، سفید جھوٹ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حکومت کے لوگ یہ کیوں کہتے کہ مذاکرات صدر کی وجہ سے ناکام ہوئے۔ درحقیقت ہمارے صدر کو جھوٹ کی عادت پڑ چکی ہے۔ اِسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انہوں نے سانحے میں 73 افراد کے جان بحق ہونے کا اعتراف کیا ہے، جب کہ غیر جانبدار آزاد ذرائع کی اطلاعات کے مطابق شہید ہونے والوں کی تعداد 1000 سے متجاوز ہے۔ اِس پر مستزاد وہ سینکڑوں طلبہ و طالبات ہیں جو ابھی تک لاپتہ ہیں۔ اور اُن کے والدین سخت پریشان اور شدید ذہنی اذیت سے دوچار ہیں۔ وہ حکومت سے کہہ رہے کہ خدارا! ہمیں یہی بتا دو کہ ہمارا بچہ یا بچی شہید ہو گیا ہے یا قید میں ہے۔ آپریشن سائلنس کے دوران میڈیا کو بھی کوریج سے اِسی لئے روکا گیا، تا کہ حقائق سامنے نہ آ سکیں۔

> حکمرانوں نے جس ''آقا'' کو خوش کرنے کے لیے یہ آپریشن کیا ہے، وہ تو اب بھی خوش نہیں ہوا۔ امریکہ نے جنرل صاحب کو 'شاباش' تو دی ہے، مگر اُس کا کہنا ہے کہ ہمارے اصل دشمن تمہارے قبائلی علاقوں میں چھپے ہیں، اُن کے خلاف بھی بھرپور آپریشن کرو۔ گویا امریکہ کی طرف سے خطرے کی تلوار بدستور ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے

کتنے لوگ جان بحق ہوئے، کتنے زخمی ہوئے اور کتنے لاپتہ، قوم کو معلوم ہی نہ ہو سکے۔

حکمرانوں نے جس ''آقا'' کو خوش کرنے کے لیے یہ آپریشن کیا ہے، وہ تو اب بھی خوش نہیں ہوا اور نہ کبھی خوش ہو سکے گا۔ امریکہ نے جنرل صاحب کو 'شاباش' تو دی ہے، مگر اُس کا کہنا ہے کہ یہ آپریشن کافی نہیں ہے۔ ہمارے دشمن قبائلی علاقوں میں چھپے ہیں، اُن کے خلاف بھی بھرپور آپریشن کرو۔ اِس کا کیا مطلب ہے؟ یہی نا، کہ امریکہ کی طرف سے خطرے کی تلوار ابھی ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے، اور یہ سلسلہ ابھی اور آگے بڑھے گا۔

آج کے دن نہ پوچھو مرے دوستو
زخم کتنے ابھی بختِ بسمل میں ہیں
دشت کتنے ابھی راہ منزل میں ہیں
تیر کتنے ابھی دست قاتل میں ہیں

لال مسجد والوں کا ''جرم'' یہ تھا کہ انہوں نے نفاذِ شریعت کا مطالبہ کیا، شریعت یا شہادت کا نعرہ لگایا، اور پھر شریعت کی خاطر جان دے دی۔ ہمارے میڈیا پر یہ بات تو ہر خاص و عام کہہ رہا ہے کہ اُن کا طریقہ درست اور نتیجہ خیز نہیں تھا، مگر جغادری دانشوروں میں سے کسی کو یہ کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ اُن کا مطالبہ تو بالکل جائز اور صحیح تھا۔ یہ پوری قوم کی آواز تھی۔ پھر اِس مطالبے کو کیوں نہیں مانا گیا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں ایک محدود سیکولر اقلیت شریعت نہیں چاہتی اور یہ لوگ یہاں ایسا معاشرہ چاہتے ہیں کہ جہاں شراب خانے عام ہوں، فحاشی و عریانی کی ترویج ہو، آزادانہ جنسی اختلاط کا کلچر پنپے، مگر بحیثیت مجموعی قوم کی غالب اکثریت کی منشاء تو یہی ہے کہ یہاں نظام شریعت نافذ ہو۔ ایک امریکی ادارے ورلڈ پبلک اوپینین کے تازہ سروے کے مطابق پاکستان میں 79 فیصد لوگوں نے کہا کہ ہمارے مسائل کا حل اسلامی شریعت کا نفاذ ہے اور ہم اسلامی شریعت چاہتے ہیں۔ لہٰذا لال مسجد کے نفاذ شریعت کے مطالبہ کو تسلیم کیا جانا چاہیے تھا۔ لال مسجد والوں کو طاقت سے دبانے کی بجائے اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی کی جانی چاہیے تھی۔

حکومت کے ایوانوں سے اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے ''دہشت گرد'' قرار دیئے گئے، مگر حکمرانوں کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اُن کے ''فتوے'' سے حقائق نہیں بدلتے۔ دہشت گرد وہ نہیں جو اسلام کا مطالبہ کرتے ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو اِس مطالبے کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں، جو ہر حال میں اِس گلے سڑے اور بوسیدہ استحصالی نظام کو قائم رکھنا چاہتے ہیں، تا کہ اُن کی مراعات اور عیاشیاں جاری رہیں، اور اہل پاکستان پر مسلط تاریک رات کا خاتمہ نہ ہونے پائے۔

اگر حکومت کسی طور سے یہ مطالبہ ماننے پر تیار نہ بھی تھی، تو بھی معاملے کو روز اول ہی سے پرامن طور پر حل کیا جانا چاہیے تھا۔ حکومت نے دیدہ دانستہ اِس میں کوتاہی کیوں کی،

معاملے کو طول کیوں دیا گیا۔ یہ معاملہ جنوری میں شروع ہوا تھا، جب حکومت بعض مساجد کو گرا رہی تھی، اور بعض کو نوٹس جاری کئے جا رہے تھے۔ اِس کے ردِعمل میں لال مسجد انتظامیہ گرائی گئی مساجد کی تعمیر اور نفاذِ شریعت کا مطالبہ۔ لے کر کھڑی ہوگئی، مگر حکومت نے اُن کے مطالبات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ چنانچہ جب انہیں اندازہ ہوا کہ حکومت مساجد کی تعمیر اور شریعت کے نفاذ میں سنجیدہ نہیں، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب ہم خود منکرات کا خاتمہ کریں گے۔ اور اِس میں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ انہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا، اگر کسی کو پکڑ کے لائے بھی، تو سمجھا بجھا کر چھوڑ دیا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اِس دوران جب بھی مذاکرات ہوئے انہوں نے لچک کا مظاہرہ کیا۔ اگر حکومت گرائی گئی مساجد کو تعمیر کر دیتی تو بھی معاملہ با آسانی حل ہوسکتا تھا، مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا گیا۔ پھر یہ امر بھی ناقابل تردید ہے کہ اگر لال مسجد کے طلبہ و طالبات ویڈیو سنٹروں پر گئے، وہاں سی ڈیز جلائیں، چینی خواتین کو پکڑ لائے تو انہیں فری ہینڈ بھی تو حکومت ہی نے دیا، ورنہ حکومت اگر چاہتی تو مدرسہ کی ناکہ بندی کر کے بھی طلبہ کو ایسا کرنے سے روک سکتی تھی۔ حکومت نے خود اُن کو مواقع فراہم کیے۔ اُن کی راہ میں کہیں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی، بلکہ انہی ٹیلی فون کالیں کی گئیں کہ فلاں جگہ یہ برائی کا کام ہو رہا ہے، آ کر اُسے ختم کیجئے۔ پھر اصل مجرم تو حکمران ہیں کہ جنہوں نے معاملے کو اِس حد تک آگے بڑھایا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ چھیڑ چھاڑ لال مسجد کے طلبہ نے کی، حالانکہ انہوں نے واضح طور پر اس کی تردید کی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ اقدام ہم نے نہیں کیا بلکہ رینجرز نے کیا ہے۔ حکومتی بدنیتی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اِس کام کے لئے جو وقت منتخب کیا گیا ہے، اِس سے اے پی سی کو ناکام بنانا بھی حکومت کے پیشِ نظر تھا۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو اِس معاملے کی بہت حد تک مشابہت ہمیں واقعہ کربلا سے نظر آتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نواسۂ رسول ﷺ کی بلند مرتبہ ہستی سے کسی کا تقابل نہیں کیا جا سکتا، مگر ہم تقابل نہیں کر رہے، بلکہ صورت حال کی اُس مشابہت کو بیان کر رہے ہیں، جو کئی اعتبار سے اُس واقعے کے ساتھ ہمیں دکھائی دیتی ہے۔

مثال کے طور پر حضرت حسینؓ نے ایک منکر دیکھا کہ امیر المومنین کا تقرر مسلمانوں کے مشورہ سے نہ ہوا، بلکہ نامزدگی ہوگئی جبکہ اسلامی خلافت کا تقاضا شورائیت تھا۔ اس اقدام سے خلافت کے ملوکیت میں بدلنے کا آغاز ہو چلا تھا، اگرچہ باقی نظام شریعت کا پورا ڈھانچہ حسب سابق چلا آ رہا تھا۔ حضرت حسینؓ اِس خرابی کے خلاف اُٹھے، تاکہ بروقت اس کا ازالہ کیا جائے، کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ اگر اس وقت اِس کو دور نہ کیا گیا تو اِس کے بعد سیاسی نظام میں اور بہت سی خرابیاں جنم لیں گی۔ جبکہ آج صورت حال یہ ہے کہ حکومت کی سطح پر دین کی جڑیں کھودی جا رہی ہیں اور منکرات کا سیلاب ہے کہ جس کا ریلا حکومتی سرپرستی میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ لال مسجد انتظامیہ نے فحاشی و عریانی کے اِس سیلاب اور منکرات کے خلاف آواز بلند کی۔ اور اُن کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔

حضرت حسینؓ کو اہل کوفہ نے بوریاں بھر بھر کر بیعت نامے بھیجے تھے کہ ہم آپ کو خلیفہ مانتے ہیں۔ آپ آیئے اور اِس منکر کے خلاف جہاد کیجئے، ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ یہاں بھی کچھ ایسی ہی صورتحال ہوئی۔ لال مسجد انتظامیہ نے نفاذ شریعت کا مطالبہ کیا تو بہت سے لوگوں نے انہیں اپنے تعاون کا یقین دلایا، انہیں خطوط لکھے کہ آپ آگے بڑھیئے، ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ جس نے انہیں مزید حوصلہ دیا، اور وہ اپنے مطالبات پر ڈٹ گئے۔ ورنہ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ لال مسجد انتظامیہ کی اپنی کوئی جماعت نہ تھی جس کے سہارے انہوں نے اقدام کیا، بلکہ ایک حلقہ تھا، جو مسجد کے نمازیوں پر مشتمل تھا۔

ایک اور مشابہت یہ بھی ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفہ جا رہے تھے، انہیں بہت سے صحابہؓ نے یہ کہہ کر روکا تھا، کہ آپ

**پریس ریلیز** 13 جولائی 2007ء

## ”لال مسجد میں واقعۂ کربلا کی تاریخ دہرائی گئی، جہاں جذبۂ ایمان سے سرشار، مسلمان مرد و خواتین کو باطل نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے جرم میں خاک و خون میں غلطاں کر دیا گیا“

## ”لال مسجد تحریک کے وابستگان نے نفاذ شریعت، منکرات کے خاتمہ اور مساجد کی دوبارہ تعمیر کے مطالبے کے دوران کسی چیونٹی کو مارنے کا بھی جرم نہیں کیا، پھر انہیں عسکریت پسند کہنا کہاں کا انصاف ہے؟“

### حافظ عاکف سعید

لال مسجد کے واقعہ میں حکومتی بددیانتی کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ اے پی سی کے ختم ہوتے ہی جس سفاکی کے ساتھ اس آپریشن کو نپٹایا گیا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حکومت نے اس معاملے کو اپنے بعض مقاصد کے حصول کے لیے جان بوجھ کر طول دیا۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ لال مسجد میں ایک بار پھر واقعۂ کربلا کی تاریخ دہرائی گئی ہے، جہاں جذبۂ ایمان اور غیرت و حمیت دینی سے سرشار، علوم دینیہ کی درس و تدریس میں مشغول مسلمان مرد و خواتین کو باطل نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے جرم میں خاک و خون میں غلطاں کر دیا گیا۔

حافظ عاکف سعید نے کہا کہ لال مسجد تحریک کے وابستگان نے نفاذ شریعت، منکرات کے خاتمہ اور مساجد کی دوبارہ تعمیر کے مطالبے کے دوران کسی چیونٹی کو مارنے کا بھی جرم نہیں کیا، پھر انہیں عسکریت پسند کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ درحقیقت ان درست مطالبات کو نہ ماننے والے عسکریت پسند اور دہشت گرد ہیں، جس کا انہوں نے مذاکرات کی بجائے عسکری کارروائی کی راہ اختیار کر کے خود ثبوت دیا ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ احادیث کی رُو سے منکر کو قوت سے روکنا ضروری ہے اور اس فریضہ کی اولین ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے، لیکن جب حکمران منکر کو معروف بنا کر بزور قوت نافذ کر رہے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے فتوے کی رو سے مناسب تیاری اور اتنی قوت کے حصول کے بعد کہ کامیابی کا یقین ہو، ایسے فاسق حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت جائز ہے۔ غازی برادران کے طریق کار سے سب نے اختلاف کیا ہے تاہم علماء سمیت پوری پاکستانی قوم نے اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کے مطالبات اپنی جگہ درست تھے۔ لہٰذا اس اتمام حجت کے بعد اب علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نفاذ شریعت اور منکرات کے خاتمہ کے لیے اس درست طریقہ کی طرف عوام کی رہنمائی کریں اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ (جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

جن لوگوں پر بھروسہ کر کے جا رہے ہیں، وہ عہد پورا نہیں کریں گے، اب ظاہر ہے جو صحابہؓ آپؓ کو رکنے کا مشورہ دے رہے تھے، اُن کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ (معاذ اللہ) وہ مخلص نہیں تھے، بلکہ وہ ''Situation'' کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں بھی بہت سے علماء نے جن کا خلوص و اخلاص بالائے شک ہے، دونوں بھائیوں کو سمجھانے اور حکومت کے خلاف قدم اٹھانے سے روکنے کی کوشش کی لیکن دونوں بھائی اِسی خیالی میں رہے کہ حکومت کے خلاف تحریک میں بہت سے لوگ ہمارا ساتھ دینے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور اگر ہمارے خلاف آپریشن کیا گیا تو پورے پاکستان میں آگ لگ جائے گی۔ قبائلی علاقوں اور دیر، سوات اور کوہستان وغیرہ سے لوگ مدد کے لئے آئیں گے، اور پھر حکومت کو ہمارے خلاف آپریشن روکنا پڑے گا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ صوفی محمد کی تحریک نفاذِ شریعت کی طرف سے باقاعدہ تعاون کی یقین دہانیاں آئیں تھیں، بلکہ آپریشن کے بعد دس ہزار کا لشکر وہاں سے اسلام آباد کے لئے چل بھی پڑا تھا، مگر ظاہر ہے کہ اُن کا وہاں سے یہاں تک پہنچنا آسان نہ تھا۔

حضرت حسینؓ کو جب اندازہ ہوا کہ کوفیوں نے بے وفائی کی، اور وہ اپنی بیعت سے منحرف ہو گئے تو وہ اپنے مطالبے سے دست بردار ہو گئے اور یزید کے لشکر کے سامنے تین آپشنز پیش کئے۔ ایک یہ کہ میری یزید سے براہ راست ملاقات کرائی جائے۔ دوسرے یہ کہ میں جہاں سے آیا ہوں مجھے وہیں واپس جانے دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ آپ مجھے موقع دیں کہ سرحدوں پر جا کر جہاد کروں اور شہادت پاؤں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ جب مولانا عبدالرشید غازی کو اندازہ ہوا کہ صورتحال ہماری توقعات کے خلاف ہے، ہماری تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے گی، تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے مطالبات سے دست بردار ہوتے ہیں، آپ ہمیں محفوظ راستہ دے دیں۔ اور یہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ طلبہ و طالبات کی جانیں بچانے کی غرض سے کیا تھا۔

جیسے کل یزید کے لشکر نے حضرت حسینؓ کی کوئی بات نہیں مانی تھی، اِس حکومت نے بھی مولانا عبدالرشید کی بات نہیں مانی۔ صاف کہہ دیا گیا کہ محفوظ راستہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گویا اب جبکہ تم ہمارے شکنجے میں آ گئے ہو، تو ہم تمہیں ختم کر کے امریکی ایوانوں میں اپنے نمبر سکور کریں گے۔ چنانچہ جو سلوک حضرت حسینؓ اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ یزید کی فوج نے کیا، وہی سلوک مولانا عبدالرشید غازی، اُن کے ساتھیوں اور طلبہ و طالبات کے ساتھ موجودہ حکمرانوں نے کیا، اور اِس طرح انہوں نے یزیدیت کی یاد تازہ کر دی۔

اب سوال یہ ہے کہ لال مسجد انتظامیہ سے طریقہ کار کے ضمن میں کیا غلطی ہوئی ہے؟ دیکھئے، قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر عمومی طور پر پوری امت مسلمہ کا فرض منصبی ہے۔ اور وہ لوگ جنہیں اقتدار حاصل ہو، اُن کے تو اولین فرائض میں شامل ہے۔ پھر یہ کہ علماء وصوفیا کی بھی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ منکرات کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھیں۔ وعظ و نصیحت اور تبلیغ دین کے ذریعے عوام میں منکرات کے خلاف نفرت اور دینی حمیت پیدا کریں۔ ایسی فضا بنائیں کہ عوام برائیوں اور منکرات کے خلاف ہو جائیں اور حکمرانوں کو جرأت نہ ہو کہ منکرات کو فروغ دے سکیں۔

نہی عن المنکر کا سب سے اونچا درجہ برائی کو قوت کے ساتھ روکنا ہے۔ اگر طاقت نہیں تو پھر زبان سے روکنا چاہیے اور اگر اِس کی بھی طاقت نہیں تو پھر دل میں برائی سے نفرت ضرور ہونی چاہیے، کہ یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اب چونکہ طاقت اور قوت حکمرانوں کے پاس ہوتی ہے، لہٰذا منکرات کو قوت سے روکنے کی سب سے پہلے ذمہ داری حکمرانوں کی ہے۔ علماء کا کام یہ ہوگا کہ زبان سے اُن کے خلاف آواز اٹھائیں، لیکن اگر حکومت اپنی ذمہ داری ادا نہیں کر رہی، اور منکرات کے خاتمے کی بجائے انہیں فروغ دی رہی ہے، تو پھر علماء و عوام کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ قوت کے ساتھ منکرات کا خاتمہ کریں۔ لیکن اِس کی صورت یہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی جگہ کھڑا ہو جائے اور توڑ پھوڑ شروع کر دے، کیونکہ اِس سے انتشار پیدا ہوگا۔ اِس کے لئے ضروری ہے کہ علماء قوت بنائیں، جس کا طریقہ سیرت النبی ﷺ سے ہمیں ملتا ہے اور وہ یہ کہ ایک انقلابی جماعت بنائی جائے، اُس کے افراد کو تزکیہ و تربیت کے مراحل سے گزارا جائے، اور جب تربیت یافتہ افراد کی جماعت اتنی قوت پکڑ لے کہ بظاہر حالات یہ یقین واثق ہو کہ حکومت سے دو بدو مقابلے میں کامیابی حاصل ہو جائے گی تو پھر اقدام کیا جائے گا۔ اور یہ اقدام جائز ہوگا، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ دیا ہے کہ فاسق و فاجر مسلمان حکمران کے خلاف بھی ان شرائط کے ساتھ مسلح بغاوت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر قوت حاصل کئے اور تیاری کئے بغیر آپ اُٹھیں گے تو اگرچہ اپنے خلوص سے کی جانے والی جدوجہد کا اللہ کے ہاں اجر پا لیں گے، مگر دنیا میں آپ کی کوشش نتیجہ خیز نہ ہو سکے گی۔

اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ ہر طرف منکرات پھیل رہے، اور حکومت اُن کی سرپرستی کر رہی ہے اور یہ صورتحال نبی اکرم ﷺ کی پیشگوئی کے عین مطابق ہے۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا، تم منکرات کا حکم دو گے اور معروف سے روکو گے اور آپؐ کی اِس بات پر آپؐ کے صحابہؓ حیران ہو گئے تھے، مگر آج آپ دیکھیں، یہی ہو رہا ہے۔ حکمران پوری ریاستی قوت کے ساتھ منکرات کو عام کر رہے ہیں۔ کھلے عام برائیوں کی ترویج کی جا رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میراتھن ریس ہو کر رہے گی اور اس میں نیم برہنہ حالت میں خواتین بھی حصہ لیں گی خواہ پوری قوم اِس کی مخالفت کیوں نہ کرے، خواہ کاروبار زندگی ٹھپ ہو جائے۔ اِسی طرح کا معاملہ تحفظ نسواں بل کی منظوری کا ہے۔ اِس بل کے بارے میں تمام مکاتب فکر کے علماء نے ہر قسم کی مسلکی اور سیاسی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر یہ قرار دیا کہ یہ غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے، مگر حکومت اسے اسلامی قرار دیتی رہی، اور اپنی قوت کے بل بوتے اُسے اسمبلی سے منظور کروا کر قانون بنا دیا۔ جب ایسی صورتحال ہو کہ منکرات کو معروفات کا نام دے کر رائج کیا جا رہا ہو، تو پھر مسلمان حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت بھی جائز ہو جاتی ہے (اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ دور میں اِس کا مفید اور بہترین متبادل ملک گیر انقلابی جماعت کی پرامن احتجاجی تحریک اور مظاہرے ہیں) مگر اِس کے لئے ضروری تیاری اور قوت کا ہونا ضروری ہے، تاکہ مثبت انداز میں نفاذ شریعت کا مشن آگے بڑھ سکے۔ اگر طاقت اور تیاری کے بغیر اقدام کیا گیا تو پھر کربلا کی تاریخ دھرائی جاتی رہے گی جیسا کہ لال مسجد میں دھرائی گئی ہے، اور یہ تحریک نتیجہ خیز نہ ہو سکی۔ یہ اور بات ہے کہ جو لوگ خلوص و اخلاص سے لال مسجد کی تحریک میں شامل ہوئے، اُن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔ چونکہ یہ لوگ اپنے ذاتی اقتدار کے لئے کوشاں نہ تھے، بلکہ اُن کا مطالبہ اسلامی نظام کا نفاذ تھا، لہٰذا اُن کی جدوجہد اور اُس کے اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ لال مسجد انتظامیہ نے 'شریعت یا شہادت' کا نعرہ لگایا، اور یہی دو چیزیں فرعون وقت امریکہ کو ''برائی'' دکھائی دیتی ہیں۔ وہ انہیں کسی صورت گوارا کرنے کو تیار نہیں، اِس لئے کہ نظام شریعت کے آنے سے ظالمانہ استحصالی نظاموں کے لئے جگہ نہ رہے گی۔ چنانچہ جس طرح کل کا فرعون اپنے اقتدار اور نظام کے لئے ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لئے بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو قتل کر دیتا تھا، آج کا فرعون امریکہ اور اُس کے حلیف مسلمان حکمران بھی اسلامی نظام کی تحریک اور جذبۂ جہاد کو مکمل طور پر کچل دینا چاہتے ہیں۔ اسلام آباد میں ہونے والی خونریزی اُس کی تازہ مثال ہے۔ لیکن، ہم حکمرانوں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ جبر و تشدد اور ظلم و بربریت کے ذریعے حق کی آواز کو دبایا نہیں جا سکتا۔ آپ اِسے جتنا دبائیں گے یہ اُسی قدر قوت سے اُبھرے گی۔ آپ کے عمل سے ردعمل زیادہ سخت ہوگا۔

گر اک چراغ حقیقت کو گل کیا تو نے
تو موجِ دود سے صد افتاب ابھریں گے

لال مسجد انتظامیہ نے علماء پر بھی اتمام حجت کر دیا ہے۔ اگر علمائے کرام نے اُن کے طریقۂ کار سے اختلاف کیا ہے، تو بجا طور پر کیا ہے، لیکن اُن پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ صحیح طریقۂ کار کے لئے قوم کی رہنمائی کریں، اور پھر اُس طریق پر چلتے ہوئے اسلامی نظام کے قیام کے لئے قدم بڑھائیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علمائے کرام، عوام اور ہم سب کو نظام اسلامی کے غلبے کے لئے جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے اور اِس مملکت خداداد پاکستان کو شریعت کا گہوارہ بنائے۔ (آمین)

ہمارے نزدیک موجودہ دور میں پاکستان میں ''نہی عن المنکر بالید'' یعنی قوت کے استعمال کے ذریعے منکرات کے خاتمے اور شریعت کے نفاذ کی منزل سر کرنے کا ایک راستہ اور بھی ہے یعنی غیر مسلح بغاوت کا راستہ، اس پر تفصیلی گفتگو اِن شاء اللہ آئندہ جمعہ کو ہوگی۔"

# حکومتی رِٹ اور احکم الحاکمین کی رٹ

محمد سمیع

آج کل حکومت کی رٹ کا بڑا چرچا ہے۔ کہتے ہیں لال مسجد والوں نے حکومت کی رٹ کو چیلنج کر رکھا تھا، جس قحبہ خانہ ومساج سنٹر اور دیگر برائی کے اڈوں سے چاہتے، لوگوں کو اُٹھا لیتے تھے۔ بھلا حکومت اپنی رٹ کو چیلنج کیے جانے کو کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ لہٰذا اس نے لال مسجد کی انتظامیہ کے خلاف اقدامات شروع کر دیے تھے۔ لیکن بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہاں بھی حکومت کو مات ہو گئی۔ حکومت کا خیال تھا کہ کچھ دنوں دنیا کو یہ تاثر دیا جائے کہ ہم نے لال مسجد کے گرد رینجرز کسی کے خلاف ایکشن کے لیے نہیں بلکہ محض نگرانی کے لیے جمع کی ہے۔ حکومت کا خیال یہ بھی تھا کہ دنیا کے ساتھ ساتھ لال مسجد والے بھی جھانسے میں آ جائیں گے۔ اگر بظاہر ان رپورٹوں کو درست تسلیم کر لیا جائے کہ فائرنگ میں پہل مدرسہ کے طلبہ نے کی تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ لال مسجد والے حکومت سے زیادہ چالاک نکلے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ حکومت ان پر شب خون مار کر اس قضیہ کو ختم کرنا چاہتی ہے، لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا ہوگا کہ رات کی تاریکی میں مرنے کی بجائے فورسز کو اشتعال دلایا جائے تاکہ جو آپریشن رات کی تاریکی میں ہونا ہے، وہ دن کی روشنی میں ہو جائے تاکہ دنیا کی توجہ اس آپریشن کی طرف ہو جائے۔ میڈیا کی ترقی کے اس دور میں حقائق کو دنیا کے سامنے کھل کر آ جائیں اور یہ آپریشن طول نہ پکڑنے پائے۔ لال مسجد والوں نے یہاں تک تو بازی مار لی۔

ویسے حکومتی رٹ کو تو مختلف میدانوں میں چیلنج کا سامنا ہے۔ ان میدانوں میں موجود کھلاڑیوں کے خلاف حکومت رٹ کیوں ایکشن میں نہیں آتی۔ مثلاً قحبہ خانوں کے مالکان، مساج سنٹرز کے کارپردازان اور بدکاری کے دیگر اڈوں کے مردان کار جو کچھ کر رہے ہیں وہ حکومت کو اشتعال دلانے کے لیے کافی ہے۔ مسلمان حکمرانوں پر اللہ تعالیٰ نے برائیوں کو طاقت کے ذریعہ ختم کرنے کا فریضہ عائد کیا ہے۔ بدکاری کے یہ اڈے حکومت کے امن فریضہ (رٹ) کے لیے ایک چیلنج ہیں۔ لیکن حکومت نے ان سے صرف نظر کر رکھا ہے۔ بلکہ بعض لوگوں کا کہنا تو یہ ہے کہ یہ اڈے سرکار کی سرپرستی ہی میں قائم رہ سکتے ہیں۔ حکومت کی اپنے اس فریضہ کی ادائیگی سے غفلت نے لال مسجد والوں کے حوصلے بڑھائے اور انہوں نے یہ فریضہ اپنے ذمہ لے لیا۔ اسلام کے نام لیوا ''اسلام آباد'' میں ایسی غیر اسلامی حرکات کو کیسے برداشت کر سکتے تھے۔

چلیں چھوڑیں اس بات کو۔ نیٹو فورسز ملکی سرحدوں کو پامال کرتے ہوئے قبائلی علاقوں پر بمباری کرتی ہیں۔ بھلا اس سے بڑھ کر بھی حکومت کی رٹ کے لیے کوئی چیلنج ہو سکتا ہے۔ لیکن حکومت اپنی رٹ کو چیلنج کرنے والوں کے خلاف کوئی آپریشن نہیں کرتی۔ شاید اسے کاؤنٹر آپریشن کا خوف لاحق ہو جاتا ہے۔ لہٰذا غیر ملکی افواج کے ان کارناموں کا سہرا حکومت اپنے سر باندھ لیتی ہے۔ اسٹریٹ کرائمز تو شاید حکومت کی رٹ کے لیے کوئی چیلنج نہیں، جبھی روزانہ ملک کے ہر شہر میں سینکڑوں گاڑیاں اور ہزاروں موبائل فون دن دہاڑے لوگوں سے چھین لیے جاتے ہیں اور مزاحمت کرنے والوں کو قتل کر دیا جاتا ہے لیکن حکومت کی رٹ کی صحت پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حکومت یہ بھول گئی ہے کہ اس نے بھی کسی حکومت کی رٹ کو چیلنج کر رکھا ہے اور وہ بھی اُس کی رٹ کو جو احکم الحاکمین ہے۔ دنیا اس کی ہے۔ اس پر حکومت بھی اسی کی چلنی چاہیے۔ قانون بھی اسی کا نافذ ہونا چاہیے۔ رٹ بھی اسی کی جاری ہونی چاہیے۔ ہمارے حکمرانوں کا پسندیدہ نعرہ تو ''سب سے پہلے پاکستان'' ہے۔ کم از کم پاکستان کی حد تک تو حکومت کو اس احکم الحاکمین کی رٹ جاری کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ یہی تو لال مسجد والے بھی چاہتے تھے۔ لیکن حکومت نے تو خود اس کائنات کی سب سے بڑی حکومت کی رٹ کو چیلنج کر رکھا ہے۔ جبھی تو اس نے حدود آرڈیننس میں ترمیم کے نام پر حدود اللہ کو پامال کرنے کی جسارت کر ڈالی ہے اور فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلے کے برعکس آج بھی ملک میں سودی نظام معیشت جاری وساری ہے۔ حکومت اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے جنگ کے الٹی میٹم سے نچنت ہے جبکہ دوسری طرف وہ زمین پر اللہ ہی کی پشت کے طفیل قائم سپر پاور حکومت کے خوف سے ہر لحظہ لرزہ براندام رہتی ہے، حالانکہ اللہ کی پکڑ بہت شدید ہے۔ جو شدید العقاب (سزا دینے میں بہت سخت) ہے جو عزیز ذوانتقام (زبردست انتقام لینے والا ہے) جو عزیز اور حکیم یعنی زبردست ہے لیکن اپنی قوت کا استعمال حکمت کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ اپنے باغیوں کی رسی دراز کیے چلا جاتا ہے جس طرح ایک ماہی گیر کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی کو ڈھیل دیتا جاتا ہے۔ اور پھر اسے ایک دم سے کھینچ لیتا ہے اور اس کے بعد مچھلی اس کے رحم وکرم پر ہوتی ہے۔ ہر حکمران کو یہ ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ غیور ہستی ہے۔ اگر کسی حکمران میں اپنی حکومت کی رٹ کی خلاف ورزی کے بارے میں غیرت ہے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لال مسجد والوں نے اس احکم الحاکمین کی رٹ کو مملکت خداداد پاکستان کے نافذ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ احکم الحاکمین اپنے ان بندوں پر ظلم کس طرح برداشت کر سکتا ہے جو اس کے حدود کی حفاظت کے لئے کھڑے ہوں۔ جنہوں نے رب کی دھرتی پر رب کے نظام کا نعرہ بلند کیا ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے ''تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔'' اللہ کا کلمہ بلند ہونے کے لیے آیا ہے اور وہ بلند ہو کر رہے گا۔'' لیکن ماضی میں بھی اللہ کے باغی مغرور ومتکبر حکمران پیوند خاک ہوتے رہے ہیں۔ اور آج بھی جو لوگ اللہ کی رٹ کو چیلنج کر رہے، وہ بھی پیوند خاک ہو کر رہیں گے۔ یہی ان کا مقدر ہے۔ بندوں کی حکمرانی کو زوال ہے، جبکہ اللہ کی حکمرانی لازوال۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین!)

## ضرورت رشتہ

☆ راجپوت فیملی کے 32 سالہ لڑکے، تعلیم بی اے، ذاتی کاروبار، کے لئے شریف گھرانے کی پابند صوم وصلوٰۃ لڑکی کا رشتہ درکار ہے ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

☆ راجپوت فیملی کی لڑکی، عمر 33 سال، تعلیم بی اے، کے لیے پڑھے لکھے گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0321-4883230 042-5427221

☆ لاہور کی رہائشی، لڑکی عمر 26 سال، تعلیم ایم ایس سی فزکس کے لئے شریف گھرانے سے وابستہ اردو سپیکنگ پوسٹ گریجویٹ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 042-7143972

## دعائے مغفرت

☆ مکتبہ خدام القرآن کے کارکن عابد حسین صاحب گزشتہ دنوں وفات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

# اسلامی دنیا، طاغوت اور علماء

عابداللہ جان

**جناب عابداللہ جان، جو ہمارے مستقل قلمی معاون ہیں، کا زیر نظر مضمون ایک اہم علمی معاملے کی تحقیق و وضاحت پر مشتمل ہے۔ مضمون نگار نے اس سوال پر بحث کی ہے کہ مسلم ممالک میں برسراقتدار ایسے حکمرانوں کی شرعی حیثیت اور مقام کیا ہے، جو اسلام کی بجائے سیکولرازم کے داعی ہیں، اور جنہوں نے مسلمانوں کو نظام شریعت سے محروم کرکے، غیر اسلامی نظاموں کے استحصالی شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے علمائے امت کو بھی دعوت فکر دی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اس اہم معاملے میں قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلے کا حل پیش کریں۔ مضمون نگار کے نقطہ نظر کے جواب میں اگر کوئی صاحب کچھ کہنا چاہیں تو اس کے لئے ندائے خلافت کے صفحات حاضر ہیں۔ (ادارہ)**

یہ سوال تیزی سے اُٹھ رہا ہے کہ آج کے حکمرانوں کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ مسلمان ان کو کیا سمجھیں اور ان کے ساتھ کیا برتاؤ کریں؟ شریعت میں جہاں اور حقوق و فرائض کی تفصیل ملتی ہے، جیسے والدین، زوجین، پڑوسی، رشتہ دار وغیرہ سب کے حقوق اور فرائض شریعت نے کھول کھول کر واضح کر دیئے ہیں، وہاں شریعت نے یہ رہنمائی کرنے میں بھی کمی نہیں چھوڑی کہ حکمران اور رعایا میں تعلق کی نوعیت کیا ہو اور ان دونوں کے حقوق اور فرائض کیا ہوں۔ مگر چونکہ فتویٰ دینے کے لیے صرف قرآن کی ایک آدھ آیت یا حدیث نکال لانا ہی کافی نہیں زمان اور مکان کا صحیح علم و ادارک ہونا ضروری ہے، اس لیے آج کے مسلمانوں کو ان کے معاشرتی حقوق و فرائض بتانے میں اور کرنے کے کام سمجھانے میں بہت سارے مخلص حضرات قرآن اور حدیث کے حوالے لے آنے کے باوجود کچھ غلطی ہائے مضامین کا شکار ہو جاتے ہیں۔ موجودہ دور کے ان اہم مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ وقت کے حکمرانوں کا بھی ہے کہ موجودہ دور کے حکمرانوں کا شریعت میں کیا حکم ہے اور مسلمانوں سے ان کے تعامل کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟

اس سوال کا جواب ہمارے ہاں علماء کی جانب سے عموماً یہ آتا رہا ہے کہ مسلمان حکمرانوں کے حقوق و فرائض یہ یہ ہوا کرتے ہیں اور شریعت کی رو سے رعایا کے ان سے تعلقات ایسے اور ایسے ہونے چاہئیں! یعنی سوال کچھ ہے تو جواب کچھ اور! یہی وجہ ہے کہ بار بار یہی سوال اٹھنے کے باوجود علماء کرام کی جانب سے بار بار اس کا جواب آنے کے باوجود کسی کی تشفی نہیں ہو پا رہی۔ چونکہ اس مسئلہ سے آنکھیں چرائی جاتی رہیں لہٰذا یہ اپنی جگہ برقرار ہے اور علمائے دین اور زعمائے امت سے جرأت گفتار اور افضل الجہاد کا بدستور تقاضا کر رہا ہے کہ وہ امت کو کھل کر بتائیں کہ موجودہ حکمران جو جانتے بوجھتے اور ہوش و حواس رکھتے ہوئے رب العالمین کی شریعت کو ایوان اقتدار سے بے دخل کر کے لاکھوں مربع میل کے اندر اور کروڑوں انسانوں کی گردنوں پر صریحاً غیر اللہ کا حکم اور قانون چلاتے ہیں، اسلام دشمن نصاب زبردستی سکولوں میں رائج کرتے ہیں، کفار افواج کی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مدد کرتے ہیں، کفار ان کی ذاتی حفاظت کے علاوہ ان کی حکومت کی سلامتی کا بیڑہ اٹھاتے ہیں اور وہ کفار کی شہ پرنت نئے طرز کے اسلام متعارف کرواتے ہیں۔ سودی نظام کے دفاع اور کسی اسلامی بل کے خلاف سپریم کورٹ میں جانے اور اس کے خلاف اپنی پوری قوت استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ جو کفار کو خوش کرنے کے لیے اپنے لوگوں پر ظلم کرے، چند ہزار ڈالرز کے عوض سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھوں بیچ ڈالے، کفار کی لاج رکھنے کی خاطر کفار کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل عام کی ذمہ داری اپنے گلے لے، آیا وہ حکمران مسلمان ہیں یا کافر؟ موحد ہیں یا مشرک؟ اور کیا مسلمانوں کو ان کی وفادار رعایا بن کر رہنا چاہیے اور ان کی خیر خواہی اور اعانت کرنی چاہیے یا مسلمان رعایا کے لئے شریعت کا کوئی اور حکم ہے؟ اور کیا شرک کے ارتکاب کے باوجود بلکہ بار بار سمجھائے جانے پر بھی شرک کرتے رہنے کے باوجود کلمہ گو ہونا ان کے کے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہے؟ ملک کے طول و عرض میں شرک کی تہذیب و ثقافت، کفر کا قانون اور استعمار کا دین پورے منظم اور باقاعدہ انداز میں رائج کرنے کے بعد بھی ان حکمرانوں کی کلمہ گوئی کا ڈھنڈورا پیٹا جانا شریعت میں کیا وقعت رکھتا ہے؟ اخباروں میں ان کے حج و عمرہ کرنے کی تصویریں چھپنے کا امت کی صحت پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟؟

یہ ہے وہ اصل سوال جس پر مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلا ہوا اور برس ہا برس سے تہذیب کفار کے پنجوں میں گرفتار عالم اسلام چیخ چیخ کر زعمائے دین کو دعوت سخن دے رہا ہے۔ حالات کی تیزی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جس طرح اس سوال کی شدت میں اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف جس انداز سے ابنائے اسلام میں دین کا شعور بھی بڑھ رہا ہے، لگتا ہے بہت دیر تک اس سوال کو سرد خانے میں پڑا رہنے دینا اب ممکن نہیں ہوگا۔ سوال کا صحیح تعین ہو جائے تو شریعت میں اس کا جواب پانا کچھ مشکل نہیں۔

آیئے پہلے طاغوت کی تعریف پر غور کریں۔ دراصل جو آدمی اللہ کی مخلوق پر اللہ کے حکم اور قانون کی بجائے اپنا حکم اور قانون چلائے وہ اللہ کا شریک اور ہم سر ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ ایک طاغوت اور ایک مسلم حکمران میں زمین آسمان کا فرق ہے، اگرچہ مسلم حکمران ظالم اور فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ ان دونوں کا حکم ایک کر دینا کسی ظلم عظیم سے کم نہیں۔ مگر چونکہ ہمارے ہاں لفظ طاغوت کا استعمال بڑی حد تک شرعی سے زیادہ سیاسی رہا ہے، اس لیے باوجود یہ کہ یہ لفظ زبان زد عام ہے اس کا صحیح ادراک اور درست اطلاق بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ ایک طرف ایسے لوگ ہیں جو کسی حکمران کو ناانصافی یا بدعنوانی یا عوامی آزادیاں سلب کرنے کی وجہ سے ناپسندیدہ قرار دینے کے لیے یا اس پر اپنا احتجاج واضح کرنے کے لیے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ ایسی حرکت کسی ظالم یا فاسق مسلم حکمران سے بھی ہو سکتی ہے۔ جبکہ دوسری جانب مذہب خوارج کے برعکس ایسے نکتہ ور حضرات ہیں جو حکمران کو جھٹ سے طاغوت تو کہہ دیتے مگر اسے دائرہ اسلام میں بدستور داخل بھی سمجھتے ہیں اور اس پر کفر یا شرک کا اطلاق کرنا خلاف ادب جانتے ہیں۔ یہ حضرات طاغوت اور مسلم کے الفاظ کو قطعی متضاد نہیں سمجھتے، حالانکہ شریعت کی اصطلاح میں طاغوت کسی شخص کے کافر یا مشرک ہونے کی بدترین شکل ہے۔ ایک آدمی غیر اللہ کی بندگی کر کے بھی مشرک تو کہلا سکتا ہے مگر ضروری نہیں کہ وہ طاغوت کے درجے کو بھی پہنچتا ہو۔ طاغوت وہ اس صورت میں قرار پائے گا جب وہ مخلوق سے خود اپنی ہی بندگی کرائے، اپنے آپ کو سب سے بزرگ، دانا اور برتر سمجھے اور قوم پر اپنا حکم چلانے لگے۔ شرک کے آخری درجے کو پہنچنے

کے بعد ہی اس پر اس گھناؤنے لفظ کا اطلاق ہوگا۔ چنانچہ جب آپ نے کسی کو طاغوت کہہ دیا تو اسے کافر اور مشرک کہنے میں آپ نے کوئی کسر ہی نہ چھوڑی۔ بلکہ ایسا ویسا مشرک ہی نہیں، آپ نے اس کو بدترین مشرک کہہ دیا ہے۔ بشرطیکہ آپ اس لفظ کا مطلب جانتے ہوں۔ بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ آپ نے یہ لفظ بول کر اس پر اللہ کا شریک اور باطل خدا ہونے کا فتویٰ لگایا ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر اس کو تا حال مسلمان قرار دینا چہ معنی دارد؟

امت اسلام پر وقت کے باطل نظاموں اور مشرکانہ تہذیب و تمدن کی صورت میں لگ بھگ ایک ڈیڑھ صدی سے جو بدترین آفت مسلط ہے وہ امت کی پوری تاریخ میں اس برے انداز سے اور اس بڑی سطح پر کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ایسے میں امت کے مخلص اور سنجیدہ ذہنوں میں بار بار یہ سوال اٹھنا ایک طبعی امر ہے کہ ان نظاموں کا شریعت میں کیا حکم ہے اور یہاں ارباب اختیار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جس نے بھی دقت نظر سے شریعت میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی، اسے ایک ہی واضح جواب ملا۔ طاغوت! نتیجتاً وقت کے حکمرانوں کا یہ شرعی لقب رفتہ رفتہ معروف ہوتا گیا۔

چونکہ امت کی تاریخ میں یہ مسئلہ ہی بالکل نیا تھا، اس سے پہلے غیر اللہ کے حکم کو ملک کے طول و عرض میں باقاعدہ رسمی اور آئینی طور پر قانون عام کی حیثیت کبھی دی ہی نہیں گئی اور نہ کبھی تہذیب اور ثقافت میں کفار کی ایسی حرف بہ حرف اتباع کروائی گئی جیسا کہ اب دیکھنے میں آ رہا ہے۔ (واضح رہے گفتگو امت کی مجموعی سطح پر ہو رہی ہے۔ تاریخ میں کہیں کہیں اور اکا دکا انداز میں اس سے پہلے بھی ایسا ہوا ہو تو اس کا یہاں انکار مقصود نہیں۔ جیسے کلمہ پڑھ لینے کے بعد بعض تاتاری حکومتوں کا قانون یاسق چلانا یا مثلاً برصغیر میں مغل حکمران جلال الدین اکبر کا کفر و زندقہ۔) اس لیے حکمرانوں کا یہ لقب طاغوت بھی ظاہر ہے، نیا ہی ہو سکتا تھا اور شریعت کی رو سے حکام وقت کی حیثیت بھی نئی ہی ہونی چاہیے تھی، مگر نئی بات ہو جانے پر کچھ لوگوں کے کان کھڑے ہونا بھی ضروری تھا۔ اس لئے ان لوگوں کو حکومت وقت نے خارجیوں کا لقب دیا اور ان کی حکومت پر تنقید کو خروج قرار دیا گیا۔ موجودہ حکومتوں کی تنقید اور مخالفت کو خروج آخر کیوں نہ سمجھا جاتا! ان حکومتوں کا ساتھ دینے والوں کو اس بات سے تو کچھ خاص غرض نہیں کہ امت میں یہ مسئلہ ہی سرے سے نیا ہے اور یہ کہ جب سے ہمارے حکمران فرنگ سے درآمد ہونے لگے ہیں، یہ سوال ہی تب سے اٹھا ہے۔ البتہ احتجاج صرف اس بات پر ضروری جانا گیا کہ اس مسئلہ کا حل نیا کیوں ہے؟ یعنی اس کا اب بھی وہ پہلے والا حل کیوں نہیں بتایا جاتا جو آج تک امت کے اندر رائج رہا! اور یہ کہ اس سوال کا آخر بعینہٖ وہی جواب کیوں نہیں دیا جاتا جو سلف کے دور میں رائج رہا اور بنو امیہ و بنو عباس سے لے کر سلاطین دہلی کے زمانے تک اور نیل سے لے کر کاشغر تک بھلے وقتوں میں مشاہیر اسلام کی زبان سے دیا جاتا رہا!!!

رفتہ رفتہ ان معترضین نے یہ باقاعدہ مذہب اختیار کر لیا کہ وقت کے حکمرانوں کو طاغوت یا مشرک کہنا، حتیٰ کہ بعض کے نزدیک تو ان حکمرانوں کی خالی مخالفت کرنا اور اللہ کے عباد اور بلاد پر ان کی طاقت کا سکہ چلنے نہ دینے کی بات کرنا ہی سلف کے منہج کے خلاف ہے، اور یہ کہ سلف کے منہج پر چلنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو ان حکمرانوں کے جنود میں شامل نظر آئیں! یا کم از کم بھی وہ لوگ ہیں جو اپنے ملک کے نظام سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔ ان میں سے ''تحقیق'' میں آگے گزرنے والے اصحاب نے تو ان غیور مسلمانوں کے تانے، جو باطل نظاموں اور حکمرانوں کی وفادار رعایا بن کر رہنے کے لئے تیار نہیں، سیدھے خوارج سے جاملائے اور عوام الناس میں ان کے لئے 'تکفیری' اور 'خارجی' کے الفاظ عام کیے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ کئی ملکوں میں ایسے چھوٹے چھوٹے گروپ بھی پائے گئے ہیں جو واقعی تکفیری تھے اور جنہوں نے حکمرانوں کی تکفیر پر ہی بس نہ کی، مسلمان ملکوں میں پوری کی پوری فوج، پولیس، سرکاری ملازمین حتیٰ کہ عوام الناس اور علماء مشائخ تک پر بلا تفریق و امتیاز تکفیر کی مشین چلائی۔ اس فتنہ کی ابتداء مصر میں ''جماعۃ التکفیر والہجرۃ'' سے ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بہت سارے ملکوں میں اس کے چربے تیار ہوئے۔ مگر ایسے گمراہوں کی تعداد کہیں بھی الحمد للہ درجنوں سے تجاوز نہ کر پائی۔ جبکہ مروجہ نظاموں اور حکمرانوں سے براءت کی بات کرنے والی اصولی تحریکوں کے لوگ ہزاروں میں رہے ہیں۔ پھر یہ بات بھی معلوم ہے کہ ان تکفیری گروہوں کی سب سے زیادہ مذمت ان اصولی تحریکوں کی جانب سے ہی ہوئی۔ یہ صرف میڈیا اور سرکار کے وظیفہ خوار مولویوں کی کرشمہ سازی تھی کہ ایسے چند گمراہوں کی کالک ہر ایسی تحریک اور شخصیت کے چہرے پر مل دینے کی کوشش ہوتی رہی جو کسی بھی مسلمان خطے میں حقیقی اصلاح کا علم لے کر اٹھی یا آئندہ اٹھے گی۔

پھر یہ بات تو شاید بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ تکفیریوں کے یہ ٹولے بھی درون خانہ سرکار ہی کے پروردہ تھے اور ان کی خفیہ پشت پناہی کا کام کچھ ہی دیر کے اندر مصر سے سعودی انٹیلی جنس کے سپرد ہو گیا۔ اس کے پیچھے جو مقصد کارفرما تھا وہ یہ کہ خالص عقیدہ کی ترجمان اسلامی تحریکوں کو بدنام کیا جائے اور ان کے ناپختہ اور جذباتی نوجوانوں کو معاشروں کی تکفیر کی ڈالی پر لگا کر ان کی صلاحیتیں ضائع کروائی جائیں، پھر ہو سکے تو قبل از وقت کارروائیوں میں الجھا کر بھی ان کو خراب کیا جائے اور ان کی قوت پرامن طور پر بڑھنے سے روک دی جائے۔ واقفان حال تو یہ بھی جانتے ہیں کہ آج سے بیس سال پہلے سعودی عرب میں ''حرم پر قبضہ'' کروانے کا مشہور واقعہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی جس کا مقصد وہاں اصلاح کے عمل کو سبوتاژ کرنا اور ناقابل تلافی نقصان پہنچانا تھا۔ اور اس طرح انہوں نے اصلاح اور تبدیلی کے عمل کو کئی عشروں تک کے لئے پیچھے دھکیل دینے میں بالفعل کامیابی حاصل کر بھی لی۔

اب بھلا موجودہ حکومتوں کے خلاف (جو کہ استعماری نظام اور colonialism کو قائم رکھنے میں بھرپور کردار ادا کر رہی ہیں) چلنے کی جرأت کون کرے! آخر ایمان بچانے کی فکر کسے نہ ہو! پھر ایمان کے ساتھ جان بھی بچتی ہو تو حکمرانوں سے وفاداری سے انکار کی کیا دلیل ہو سکتی ہے!! یوں توحید کی فطرت پہ چلنے والے غیور مسلمانوں کو علم کی مار دینے کی ایک اسکیم تیار کر لی گئی جو موجودہ دور کے مسلم حکمرانوں کی ایک اہم ضرورت تھی۔ گو اغلب یہی ہے کہ یہ ''دریافت'' پہلے پہل حکمرانوں کی فرمائش کے بغیر وجود میں آئی، البتہ ظہور میں آ جانے کے بعد تو اسے پذیرائی دلانے میں کسی کو مضائقہ بھی کیا ہو سکتا تھا! یوں بھی بڑے بڑے منصوبے حکومتی سرپرستی کے بغیر چلنے کے نہیں ہوتے۔ چنانچہ عالم عرب کے اندر خاص طور پر دیکھنے میں آ رہا ہے کہ حکومت کے ''سرکاری ترجمانوں'' نے اصلاح کے لئے میدان میں اترنے والی ہر تحریک اور ہر شخصیت کا جینا دوبھر کر رکھا ہے اور اسے خارجی، باغی، بدعتی، ایمان کے لئے خطرہ، قابل قید و مشقت اور گردن زنی قرار دے رکھا ہے۔ اب امریکہ نے ان کے منہ میں القاعدہ کا لفظ دے دیا ہے۔ جس کا لیبل کسی پر لگانے کے بعد اس کے خلاف ہونے والی ہر کارروائی تقدیس کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

یہاں ہمارے ان قارئین کو، جو صرف اردو جرائد کا مطالعہ کرتے ہیں، صورتحال کا اندازہ کرنے میں شاید کچھ مشکل پیش آ رہی ہو۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں حاکمیت کی بحثوں نے ابھی وہ زور نہیں پکڑا جو عرب ملکوں میں ایک عرصہ سے دیکھنے میں آ رہا ہے۔ خصوصاً وہ معرکہ آرائی جو پچھلے کئی سالوں سے سعودی عرب میں برپا ہے اور شیخ سفر الحوالی اور شیخ سلمان العودہ کی تقریری و تحریری محنت اور پھر آخر میں ان کی گرفتاریوں نے جو اس فضا میں مزید ارتعاش پیدا کر دیا ہے، اس کے تناظر میں علمی حلقوں کے اندر اس مسئلہ پر لے دے بہت بڑھ گئی ہے اور اس کی بازگشت اب پورے عالم عرب بلکہ عالم اسلام میں سنی جانے لگی ہے۔

**سعودی علماء کا فتویٰ ثابت کرتا ہے کہ آج دنیا میں ایک بھی مملکت ایسی نہیں جو خالص اسلامی ریاست کہلائی جاسکے۔ کوئی بھی ایسی مسلم مملکت نہیں جس کے حکمران طاغوت نہ کہلوائے جاسکیں۔ گویا دنیا پر کفر کا نظام مکمل طور پر چھا چکا ہے اور ہم انسانی تاریخ کے سیاہ ترین دور سے گزر رہے ہیں**

مزے کی بات یہ ہے کہ سعودی حکمران کم از کم سرعام سیکولرازم کے داعی نہیں۔ سرعام اسلامی قوانین کا مذاق نہیں اڑاتے۔ سرعام سودی نظام کا دفاع نہیں کرتے اور زبردستی سکولوں میں سیکولر نظام رائج نہیں کرتے۔ سعودی حکمران یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ پاکستان اور دیگر ممالک کی طرح ان کے ہاں برطانوی قانون نافذ نہیں۔ مگر ان حجتوں کے باوجود حاکمیت اور طاغوت پر بحث زور پکڑ رہی ہے۔

اللہ کی شریعت کو پس پشت ڈال کر مخلوق کی شریعت کو قانون عام کا درجہ دینے والے تمام مسلم حکمران کفر کے مرتکب کہلانے سے صرف ایک صورت میں بچ سکتے تھے' یا بچائے جا سکتے تھے! اور وہ یہ کہ ''ارجا'' کے عقیدے کو امت میں عام کر دیا جائے' جبکہ وہ پہلے ہی بہت عام ہے اور اللہ کے دشمنوں کا اب تک برسراقتدار رہنا اسی کا مرہون منت ہے۔ یہ ''ارجاء'' کیا ہے؟ امت کی تاریخ میں ایک مشہور بدعت ہوگزری ہے' بلکہ گزری بھی کیا' مختلف شکلوں اور صورتوں میں اب تک چل رہی ہے۔ اس کی رو سے آدمی عملاً شرک کرتے رہنے سے مشرک نہیں ہوتا' صرف اس کا اعتقاد رکھنے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک کلمہ گو شرک اور کفر کا خواہ کوئی کام کرے بس دل میں اس کو صحیح نہ سمجھے اور زبان سے اس کو حلال کہنے کی حماقت نہ کرے تو وہ مسلمان اور موحد ہی گنا جائے گا! یعنی کفر اور شرک کے افعال بھی عام گناہوں کی طرح ایک گناہ ہیں اور محض ان کے عملی ارتکاب سے کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ خوارج جہاں ایک انتہا پر گئے اور عام گناہ کے کاموں کو بھی افعال شرک کے ساتھ ملا دیا وہاں یہ مرجئہ دوسری انتہا پر گئے جنہوں نے افعال شرک و کفر کو عام گناہوں کے ساتھ یکجا کر دیا۔

اصولی طور پر یہ دونوں گمراہیاں اس مسئلہ پر ایک ہوجاتی ہیں کہ کفریہ اعمال اور عام گناہوں میں کوئی فرق نہیں! جبکہ ان میں واضح فرق ہے۔ جن افعال کو شریعت میں صرف گناہ اور فسق کہا گیا ہے ان پر اصرار سے آدمی فاسق ہوگا اور جن افعال کو اللہ اور رسول ﷺ کفر یا شرک کہیں ان پر اصرار کرنے سے وہ کافر اور مشرک ہوسکتا ہے۔ اور یہ تو واضح ہے کہ اللہ کے قانون کی بجائے کوئی دوسرا قانون چلانے کو اللہ اور رسول ﷺ نے کفر کہا ہے۔

چنانچہ طاغوتوں کو اولی الامر' کا درجہ دلانے کے لئے ارجاء کے اس عقیدہ کا ایک نئے زور شور سے ڈول ڈالا گیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف اس کا یوں غلغلہ کر دیا گیا کہ آدمی اس سے واقعی سمجھ لے کہ حاکم بغیر ماانزل اللہ کو کافر کہنا بالفعل خوارج ہی کا مذہب ہے۔ پاکستان میں بھی دھیمے سروں پر یہ نغمہ سننے کو مل جاتا رہا ہے' تاہم عرب میں تو اس کا آہنگ اتنا اونچا رہا ہے کہ کان پھٹنے کو آنے لگے۔ تصنیفات اور تالیفات کی بھرمار ہوئی اور ان کی اشاعت کا تو کوئی حد حساب ہی نہ رہا۔ کچھ عرصہ پیشتر اس سلسلہ کی ایک اہم تصنیف ''الحکم بغیر ماانزل اللہ واصول تکفیر'' سعودی عرب میں بطور خاص مقبول کروائی گئی۔ خالد بن علی العنبری نامی ایک صاحب کی یہ کتاب' جو حکمرانوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی تھی' لازمی تھا کہ علمی حلقوں میں بھی موضوع بحث بنتی۔ اس کتاب کے بنیادی نکات یہ تھے:

1۔ حکم بغیر ماانزل اللہ کا فعل کفر نہیں' الا یہ کہ حکمران اس کو جائز اور حلال کہے۔ یعنی اس فعل کی فی نفسہ نوعیت باقی گناہوں جیسے ایک گناہ کی ہوگی۔
2۔ اتنا ہی نہیں بلکہ مصنف کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس کی اس بات پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے؟
3۔ اور اس بات سے اختلاف رکھنا خوارج کا عقیدہ ہے۔
4۔ اس بات میں کہ ''اسلامی نظام کے اندر کوئی قاضی یا حاکم کسی ایک آدھ قضیے میں کسی ایک آدھ بار بددیانتی سے شریعت کے خلاف فیصلہ دے دے'' اور اس بات میں کہ ''ملک میں ایک خلاف شریعت امر کو باقاعدہ رسمی طور پر قانون عام (پبلک لاء) کا درجہ حاصل ہو اور عدالتوں میں اسے مرجع اور سند کی حیثیت دے دی جائے'' کوئی فرق نہیں۔ ہر دو صورت میں حکمران بدستور مسلمان رہے گا!!

> **جو آدمی اللہ کی مخلوق پر اللہ کے حکم اور قانون کی بجائے اپنا حکم اور قانون چلائے وہ اللہ کا شریک اور ہم سر ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کو طاغوت کہا جاتا ہے**

اتنے بڑے بڑے اور بے بنیاد دعوے ظاہر ہے کہ دن کی روشنی میں کام نہیں دے سکتے تھے۔ گو مصنف نے اپنے دعویٰ کے اثبات میں شرعی نصوص کے مفہومات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، مگر یہ کوشش اس کو فائدہ تو کیا دیتی' الٹا اس کے لیے گلے کا پھندہ بن گئی۔ سمجھ دار لوگوں نے اس کے مدلل جواب تو لکھے ہی مگر انہوں نے اس کتاب کو سعودی کبار علماء کے سامنے رکھ کر ان سے اس پر فتویٰ کا تقاضا بھی کیا۔

یہ فتویٰ نہایت اہم ہے کیونکہ سعودی بادشاہت کے کثیر معاملات میں اسلام سے انحراف کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ وہاں کے علمی حلقوں میں بڑی حد تک اسلامی علمی اصول اور قواعد ابھی تک مسلّم ہیں۔ مذکورہ فتویٰ دینے والے علماء کو وہاں کی حکومت سے کسی نہ کسی انداز میں تعاون کرتے ہیں اور اس کے لئے جو وجوہات وہ اپنے پاس رکھتے ہوں گے وہ ہمیں معلوم نہیں، تاہم اس فتویٰ سے یہ ضرور واضح ہوجاتا ہے کہ عملی سطح پر وہاں جو بھی صورتحال ہو کم از کم علمی سطح پر اسلامی اصولوں سے انحراف کا چلن عام نہیں۔

سعودی علماء کا یہ فتویٰ یقیناً ہم سب کے لئے فکر انگیز ہے، جس کے مطابق حکم بغیر ماانزل اللہ پر حکمران کی تکفیر کرنا دراصل خوارج کا نہیں بلکہ خاص اسلام کا منہج ہے اور یہ کہ اسے کافر قرار دینے کے لئے یہ ہرگز شرط نہیں کہ وہ اپنے فعل کو زبان سے جائز اور حلال بھی کہتا ہو بلکہ یہ شرط لگانا ہی مذہب کے خلاف ہے۔ مملکت سعودی عرب کے علمی تحقیقات و افتاء کی کمیٹی برائے اکابر علماء نے 24 شوال 1420ھ کو فتویٰ نمبر 21154 میں لکھا کہ ''خالد علی العنبری نے اپنی کتاب بعنوان ''الحکم بغیر ماانزل اللہ و اصول التکفیر'' کے لکھنے میں علمی دیانت سے کام نہیں لیا اور دلائل کے اس مفہوم میں تحریف کی گئی ہے جس کا عربی زبان اور مقاصد شریعت دراصل تقاضا کرتے ہیں۔'' فتویٰ میں مزید کہا گیا کہ ''مصنف نے شرعی دلائل کے مفہوم اور معانی میں تحریف کی ہے۔ اہل علم کی بعض تحریروں میں تصرف سے کام لیا ہے۔ عبارت کہیں یوں حذف کر دی ہے اور کہیں اس انداز سے تبدیل کر دی ہے کہ جس سے عبارت کی سرے سے مراد ہی اور نظر آئے۔ اہل علم کے بعض اقوال کی ایسی تفسیر کی ہے جو ان کا مقصود اور مراد ہی نہیں۔ مصنف نے اہل علم پر جھوٹ بھی باندھا ہے جیسا کہ اس نے علامہ شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ سے وہ قول منسوب کر دیا ہے جو انہوں نے کہیں نہیں کہا۔ مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ اہلسنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسا آدمی کافر نہیں جو قانون عام میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے بغیر حکم چلائے الا یہ کہ وہ اس عمل کو دل سے جائز سمجھتا ہو' یعنی یہ ان باقی گناہوں جیسا ایک گناہ ہے جو کفر تک نہیں پہنچتے۔ حالانکہ یہ مذہب اہلسنت پر نرا بہتان ہے جو یا تو جہالت کا شاخسانہ ہے یا بدنیتی کا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عافیت میں رکھے۔''

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر کمیٹی نے مذکورہ کتاب کی طباعت' تقسیم اور فروخت ممنوع قرار دی اور مصنف کو نصیحت کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، اور معتمد اہل علم سے رجوع کرے تاکہ ان سے علم حاصل کرے اور وہ اس کی غلطیوں کی نشان دہی کریں۔

سعودی علماء کا یہ فتویٰ ثابت کرتا ہے کہ آج دنیا میں ایک بھی مملکت ایسی نہیں جو خالص اسلامی ریاست کہلائی جا سکے۔ کوئی بھی ایسی مسلم مملکت نہیں جس کے حکمران طاغوت نہ گردانے جاسکیں۔ گویا دنیا پر کفر کا نظام مکمل طور پر چھا چکا ہے۔ ہم انسانی تاریخ کے سیاہ ترین دور سے گزر رہے ہیں۔ 1400 سال پہلے اسلام کے آنے سے قبل جو حالت مکہ کی تھی اس سے بدتر حال اب تمام دنیا میں ہے۔ اس وقت کفر کم از کم کفر تھا' اب تو کفر اسلام کے لیبل میں ہر جگہ دستیاب ہے اور اس کی ذمہ داری ہم جیسے ایک عام مسلمان پر اتنی ہی عائد ہوتی ہے جتنی ہمارے علماء اور حکمرانوں پر۔ کیونکہ جیسی قوم ہوگی ویسے ہی حکمران ان کو عطا ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے حکمران طاغوت ہیں تو ہم کیا ہیں؟

# ترکی میں مغربیت اور اسلام کی کشمکش

سید قاسم محمود

ملی سلامت پارٹی کے نظریہ ساز مفکرین اپنی تحریروں، تقریروں اور بیانات سیکولرازم کے خلاف لکھنے اور بولنے لگے، جبکہ ترکی معاشرہ جبر واستبداد اور اسلام وانسانی اقدار کا مخالف وہ دور بھی دیکھ چکا ہے جس میں مصطفیٰ کمال پاشا اور اُس کے لادینی نظریات کے خلاف کوئی کمزور آواز بھی ملک اور وطن سے بغاوت اور غداری سمجھی جاتی تھی، لیکن اس نئی اسلامی تحریک کی مسلسل جدوجہد اور قربانی نے حالات کو بدل کر رکھ دیا اور فکر ونظر کے زاویے ایسے درست ہوئے کہ سیکولرازم اور کمالیت اجنبی چیز بن کر رہ گئی اور سرِ عام اُن پر تنقید ہونے لگی۔

پروفیسر نجم الدین اربکان بھی واضح طور پر سیکولرازم کے خلاف پوری طاقت سے صف آرا ہو گئے۔ پاکستان کے دورے کے موقع پر انہوں نے تمام سیاسی احتیاط اور اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر سیکولرازم اور لادینیت کے خلاف تقریر کی۔ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق سے ملاقات کے وقت انہوں نے زور دیا کہ ''ایک اسلامی ریاست کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ پوری زندگی کو اسلام کے ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے، سب سے پہلے ریاست کا سرکاری مذہب اسلام کو قرار دینا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو دین اسلام خطرے میں رہے گا۔''

بنیادی انسانی حقوق، حریتِ فکر وعمل اور جمہوریت کے تعلق سے بھی ''ملی سلامت پارٹی'' اور اس کے رہنماؤں کا موقف اسلامی تعلیمات پر مبنی رہا ہے۔ انہوں نے ایک طرف آزادیٔ فکر ونظر اور اظہار رائے کی مکمل حمایت کی اور کمیونسٹوں اور بائیں بازو کے عناصر کے لیے بھی آزادی وحریت کی وکالت کی، لیکن دوسری طرف اِس موقف کا بھی کھل کر اظہار کیا کہ ترکی ایک مسلم ملک ہے اور یہاں اسلام کی بالادستی ہونی چاہیے۔ انہوں نے صراحت کی:

> ''ہم تشکیل حکومت میں قیادت کر رہے ہیں۔ حکومت کی تشکیل اُس طرح ہوگی جس طرح ہمارے بھائیوں کی خواہش ہے۔ ملی سلامت پارٹی کا کچھ مفہوم اور اِس کا کوئی مقصد ہے۔ یہ پارٹی عریاں اور خلافِ وقار لباس کی حمایت نہیں کر سکتی۔ نوجوانوں کی تربیت اِس لیے نہیں ہوگی کہ وہ کمیونسٹ اور دہریہ بنیں، سینما گھروں میں غیر اخلاقی اور فحش فلموں پر پابندی ہوگی۔ ہر شخص اپنے عقیدے اور ضمیر کے مطابق لکھنے اور بولنے کا حق دار ہوگا، البتہ جو لوگ اپنے گھروں میں کتابیں پڑھتے ہیں، واجب التعزیر نہ ہوں گے۔''

ساتھ ہی اِس امر کی بھی صراحت کی کہ سیکولرازم اپنے مخصوص پس منظر، نظامِ فکر وعمل اور فلسفۂ زندگی کے ساتھ اسلام سے متصادم بھی ہے، اگرچہ اِس کے عام معانی اسلام کی تعلیمات سے نہیں ٹکراتے۔ دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ یکساں سلوک اور انہیں فکر وعمل کی آزادی کا تصور قرآن میں بھی موجود ہے۔ ''ملی گزٹ'' نے اپنے 9 مارچ 1980ء کے اداریے میں لکھا:

> ''ہم نجات وفلاح کے تذکروں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک اسلام کا طریقۂ نجات وفلاح ہے۔

> **ایک آئیڈیالوجی کی حیثیت سے کمیونزم صیہونیت کا ایک بازو ہے تو سرمایہ داری اُس کا دوسرا بازو ہے۔ دراصل صیہونیت پوری دنیا پر حکومت کرنے کی آرزو رکھتی ہے اور اِن دنوں بازوؤں کا استحصال اپنی مرضی کے مطابق کرتی ہے**

دوسرا کافرانہ ومشرکانہ طریقہ ہے، جو نجات کا ضامن نہیں بن سکتا۔ آخر الذکر کا انحصار وحی الٰہی پر نہیں ہے، اور انسانی حماقتوں پر اس کی بنیاد ہے جو خود باہم متضاد ومتصادم ہیں، جیسے اشتراکیت، سرمایہ داری، اشتمالیت اور جمہوریت''

''خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنی مرضی اور فیصلے کے مطابق نہیں، بلکہ قرآن مجید کے مطابق حکومت کریں۔ اگر ووٹوں کے ذریعے انسانوں پر حکومت جائز ہوتی تو وحی الٰہی کی ضرورت نہ تھی۔ جن معاشروں میں عوام کے ووٹوں سے معاملات طے پاتے ہیں، وہاں اسلام زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ جمہوریت مغربی اور عیسائی طریقوں کے مطابق جاہل عوام پر حکومت کرنے کی ایک مغربی سازش ہے۔ یہ دراصل اسلام پر عیسائیت کی فتح ہے۔ صرف الہامی قوانین ہی نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ انسان قابلِ نفاذ قوانین نہیں بنا سکتا۔''

''یہودیوں کے ذریعے یروشلم کو دارالسلطنت بنانے کا اعلان دراصل فطری نتیجہ ہے عالمِ اسلام کے بہت سے پہلے سے زوال پذیر ہونے کا، فراموش کردہ مسلم اخوت کا، قومی ونسلی رجحانات کی اشتعال انگیزی کا، مغرب کی سازشی پالیسیوں کا، تسلیم شدہ سیکولر، لادین اور جمہوری اصولوں کا۔ اِن سارے اسباب نے مل کر یروشلم کو دارالسلطنت بنایا ہے۔''

''ملی گزٹ'' کے اداریوں کے مندرجہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ 1980ء میں پارٹی کے رہنما اور کارکن کھل کر سیکولرازم کے مخالف ہو گئے تھے اور یہ کہ ترکی کی ساری خرابیوں کی جڑ معاشرے کا لادینی رُخ تھا۔

ملی سلامت پارٹی کے رہنماؤں نے اسلام کے شاندار ماضی اور سلطنت عثمانیہ کی میراث کا حوالہ دیا۔ مثال کے طور پر اُن کے مقررین کا دعویٰ تھا کہ ملی نظام پارٹی اور ملی سلامت پارٹی کے رہنماؤں میں ترکی کی سرکردہ شخصیات شامل ہیں۔ جو اسلام سے گہری عقیدت ومحبت رکھتی ہیں۔ چند جملے بطور اقتباس ملاحظہ ہوں:

- ☆ ملی سلامت پارٹی ترکی کی اسلامی روایت کا تسلسل اور اُس کی ضامن ہے۔
- ☆ پارٹی اُسی عظیم الشان میراث کا احیاء کرے گی جو چھ سو سال تک سلطنتِ عثمانیہ کی شکل میں جلوہ گر رہی۔
- ☆ سیکولرازم اور مغربیت ہی سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے ذمہ دار ہیں۔
- ☆ ملی سلامت پارٹی کے پاس شاندار ماضی کے احیاء کا اسلامی فارمولا موجود ہے۔

پروفیسر نجم الدین اربکان نے اس اسلامی فارمولے کا اعلان معاشی سرکاری پلان کی تردید کرتے ہوئے بھی کیا۔ اُن کا اصرار واعلان تھا کہ قومی تاریخی اقدار کی تدریس وتربیت بچوں اور نوجوانوں کے لیے ناگزیر ہے۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے محبت وشفقت کی عملی تعلیم بھی ضروری ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ملی سلامت پارٹی جب اقتدار میں آئے گی تو ہپی شکل وصورت کے جوانوں کے عورتوں کے سے بال کاٹ دے گی۔ نوجوان خواتین اور لڑکیوں کو باوقار اور باعفت بننے کی ترغیب دی جائے گی اور دہشت گردی کے علاج کے طور پر سچی اور صحیح دینی تعلیم دی جائے گی۔

پروفیسر اربکان ترکی خارجہ پالیسی پر مغرب کے اثراتِ بد کے سخت مخالف تھے۔ وہ مغرب سے ترکی کی وابستگی اور خاص تعلق کو اسلام اور مسلمانوں کے لیے سخت خطرہ تصور کرتے تھے اور اسے درحقیقت عالمِ اسلام سے مربوط کرنے

کے لیے کوشاں تھے۔ اُن کے خیال میں ترکی استحصال اور آمریت پسندی میں مغربیت کی راہ پر گامزن تھا۔ وہ کہتے ہیں:

''ایک آئیڈیالوجی کی حیثیت سے کمیونزم صیہونیت کا ایک بازو ہے تو سرمایہ داری اُس کا دوسرا بازو ہے۔ دراصل صیہونیت پوری دنیا پر حکومت کرنے کی آرزو رکھتی ہے اور اِن دنوں بازوؤں کا استحصال اپنی مرضی کے مطابق کرتی ہے...... یالٹا کانفرنس کا مقصد صیہونیت کے نام پر دنیا کو منقسم کرنا تھا۔ جب سے کچھ نئی طاقتوں کا ظہور ہوا ہے، وہ اِس تقسیم سے ہم آہنگ ہونا چاہتی ہے۔ تاہم پچھلی دہائی میں عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ نے صورتِ حال یکسر بدل کر رکھ دی ہے۔ اب دنیائے اسلام میں تجدید واحیا کی نئی تحریک اُٹھی ہے۔ اب ہمیں آپس میں لڑنے کی پالیسی بند کرنا ہوگی اور نئے مسائل کا حل تلاش کرنا ہوگا۔''

پروفیسر اربکان نے سالٹ کی دوسری کانفرنس کو عالمِ اسلام کے خلاف سرمایہ داری اور کمیونزم کی ایک متحدہ سازش قرار دیا۔ قبرص کے مسئلے پر سب سے زیادہ معرکہ آرائی رہی۔ متحدہ قبرص میں ترک مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جاتے تھے اور اُن کی فریاد رسی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ جب پروفیسر اربکان نائب وزیراعظم بنے تو انہوں نے یونانیوں کے خلاف مسلمانوں کی امداد وحمایت میں وہاں ترکی فوجیں اُتار دیں۔ جنگ کے بعد قبرص دو حصوں میں منقسم ہوگیا اور ترکی قبرص کے صدر رؤف ونکتاش بنے۔ اِس موقع پر اربکان نے ری پبلکن پارٹی اور جسٹس پارٹی کی مذمت کی، جنہوں نے یونانی مطالبات کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا اور خدا کا شکر ادا کیا جس نے اِس مسئلے کو سلجھا دیا تھا۔ قبرص کے مسئلے میں پروفیسر اربکان فاتح بن کر ابھرے۔

اسلامی ممالک کے ساتھ رابطہ وتعلق کی اُستواری کے مسئلے پر پروفیسر اربکان نے سب سے زیادہ بیانات دیئے۔ دنیا بھر کی اسلامی احیائی تحریکات سے تعلق کو مستحکم کیا گیا۔ اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے ہونے والی عالمی جدوجہد سے واقفیت اور اُس کی حمایت وتائید پر رفقاء وکارکنان نے لب کشائی کی اور مغرب سے رابطہ استوار کرنے کی بجائے اسلامی دنیا سے گہرے تعلقات پر زور دیا۔ مغربی فکر وثقافت، تہذیب وتمدن اور اداروں پر سخت تنقید کی گئی۔ مغربی بلاک کو اربکان نے خصوصی ہدف بنایا اور اپنی بیشتر تقریروں میں اس کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی نمایاں کی۔ مشنری سکولوں کے نظام ونصاب، جوئے خانوں، شراب نوشی کے اڈوں، جنسی بے راہ روی اور فحاشی کی علم بردار انجمنوں پر تیز وتند حملے کیے اور انہیں ترکی معاشرے سے ختم کرنے کی مہم چلائی گئی۔ یہاں تک کہا گیا کہ ''یونان قدیم کے تمام بڑے نام نہاد فلسفی جنسی بے راہ روی کے شکار تھے۔'' اور یہ کہ:

''اہل مغرب خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں۔ موسیقی سے دل بہلاتے ہیں اور اپنے مذہبی تہوار اور مقدس ایام کا جشن شراب و کباب کے ساتھ مناتے ہیں۔ وہ بدکرداری، جنسی آوارگی اور قتل وغارت گری کا ہر جرم کر سکتے ہیں اور ایک مذہبی اعتراف کے ذریعے نجات کا پروانہ بھی حاصل کرلیتے ہیں عیسائیت کو قبول کیے بغیر اور اسلام کی مخالفت کیے بنا ایک مغربی کی طرح سوچنا اور عمل کرنا محال ہے۔''

''ہم ڈیڑھ صدی سے توہمات و خرافات میں، لباس و زیبائش میں، روایات ورسوم میں اور شراب و بدکاری کی محفلوں کے قیام میں مغرب کی تقلید کرتے آرہے ہیں۔ ہم نے اپنے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا وہی نصاب و نظام مقرر کیا ہے، جو مغرب میں رائج ہے۔ ہم نے اپنے دلوں سے خدا کی یاد محو کردی ہے۔ عقل نے خدا کی جگہ لے لی ہے۔ ہم نے اپنے دستور، قانون اور تعلیم کو سیکولر بنادیا ہے۔ ہم نے شراب وکباب سے تمام بندشیں اُٹھالی ہیں، لیکن پچھلے پچاس سال میں ہم ایک بھی نوبل پرائز حاصل نہ کرسکے۔ اس کے باوجود ہماری قوم یہودی فری میسن سازش کا شکار ہونے کے لیے تیار ہے جو تمام اقوامِ مغرب کے پس پردہ متحرک وفعال ہے۔''

صیہونی تحریک پر پروفیسر اربکان نے مختلف قسم کے اعتراضات قائم کیے۔ اِس تحریک کو انہوں نے دنیا کی تمام سازشوں اور تخریب کاریوں میں ملوث قرار دیا۔ ڈارون، سگمنڈ فرائیڈ، درخائم اور کارل مارکس سب کے افکار ونظریات انسانی عقل وفکر کو منحرف کرنے کی یہودی سازش کا حصہ تھے۔ ترکی کی تمام دہشت پسندانہ سرگرمیوں میں صیہونیت کا کردار رہا ہے۔ قومیت کا نظریہ، جس نے مسلم ممالک کو حصوں بخروں میں تقسیم کر دیا، یہودی سازش کا ایجاد کردہ تھا۔ یورپ کی مشترکہ منڈی ہی نہیں، بلکہ اقوام متحدہ کا ادارہ بھی صیہونی سازش کا حصہ ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت کی مصنوعی تقسیم دراصل یہودیوں کے عالمی غلبے کے حقیقی خطرے پر پردہ ڈالنے کا منصوبہ ہے۔ مارشل ٹیٹو ایک یہودی تھا، جس نے صیہونیت کے لیے کام کیا، یہاں تک کہ جاگیرداری بھی یہودی سازش ہی کی اسکیم تھی۔ چونکہ ہر باطل اور غلط منصوبے میں یہودی شامل ہوتے ہیں، اس لیے لازماً انہوں نے سلطان محمد الفاتح کو زہر دیا ہوگا۔ نسل پرستی بھی ایک یہودی سازش تھی اور بے چارہ ہٹلر ظالم و بے رحم یہودیوں کا محض ایک مہرہ تھا۔ یہودی انسانیت کے بدترین دشمن ہیں، جس کی صراحت قرآن پاک نے کردی ہے۔

> ہم ڈیڑھ صدی سے توہمات وخرافات میں، لباس وزیبائش میں، روایات ورسوم میں اور شراب وبدکاری کی محفلوں کے قیام میں مغرب کی تقلید کرتے آرہے ہیں۔ ہم نے اپنے تعلیمی اداروں میں مغربی نصاب ونظام مقرر کیا ہے، ہم نے اپنے دلوں سے خدا کی یاد محو کردی ہے۔ ہم نے اپنے دستور، قانون اور تعلیم کو سیکولر بنادیا ہے۔ لیکن پچھلے پچاس سال میں ہم ایک بھی نوبل پرائز حاصل نہ کرسکے

قومی و عالمی مسائل پر ملی سلامت پارٹی اور اس کے حکمرانوں نے کوئی مصالحت و منافقت نہ کی۔ انہوں نے ہر طرح کے دباؤ اور ترغیب کے ہر حربے سے بے نیاز ہوکر اسلامی موقف اختیار کیا۔ شرعی نقطۂ نظر کی وکالت ومدافعت کی اور ترک عوام کو اُن کے شاندار ورثے اور تابناک ماضی سے قریب کرنے کی جدوجہد کی، جس میں انہیں کافی مقبولیت حاصل ہوئی، اور عوام کا اعتماد واطمینان پاکر انہوں نے اسلامی احیائی تحریک کو اقدام وعمل کے مرحلے میں داخل کیا، اور یہی بات سیکولر عناصر اور کمالی فوج کو برداشت نہ ہوسکی اور ان سب نے مل کر ملک میں فوجی حکومت ازسرِ نو قائم کردی۔ (جاری ہے)

## بقیہ: اداریہ

کہ پاکستان کے تمام مسائل کا حقیقی اور مستقل حل صرف اور صرف نظام خلافت سے ممکن ہے لیکن فوری اور ہنگامی طور پر ایک بے تدبیر اور ظالم حکومت سے نجات کی خاطر ایک پُرامن تحریک کے ذریعے حکومت کو شفاف اور غیر جانبدار انتخابات کے انعقاد پر مجبور کر دیا جائے تو یہ بھی بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ اگرچہ اِس کے اچھے اثرات عارضی اور وقتی ہوں گے اور ہمیں اسلامی نظام کی منزل حاصل کرنا ہوگی۔

سانحہ لال مسجد کے حوالہ سے عوامی سطح پر یہ بات پُرزور انداز سے آرہی ہے کہ علمائے کرام نے بھی وہ رول ادا نہیں کیا یا اُن کے رول میں وہ جارحیت نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی۔ ہم مسلمانان پاکستان کی اِس رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ خصوصاً دینی سیاسی جماعتوں کے اکابرین کو کشتیاں جلا کر اِس میدان میں اترنا چاہیے تھا۔ اُن لوگوں کی جان کا مسئلہ تھا جو صرف یہ کہتے تھے کہ ملک میں شریعت نافذ کرو۔ اس مسئلہ کو سیاسی مفادات کی نظر کرنا یا مصلحت پسندی کا مظاہرہ کرنا ہمارے نزدیک مجرمانہ غفلت ہے۔ ہم یہ توقع کرتے ہیں کہ علماء کرام کو دنیوی نتائج کی بجائے اُخروی نتائج پر نظر رکھنی چاہیے۔ آخر میں ہم حکمرانوں کو تنبیہہ کرتے ہیں کہ اگر وہ ہٹ دھرمی نہیں چھوڑیں گے اور نفاذ اسلام کے راستے میں رکاوٹ بنیں رہیں گے تو دنیا وآخرت میں اُن کے لیے ہلاکت خیز انجام ہے اور ہم قوم سے بھی کہہ دیتے ہیں کہ اگر اب بھی ہم نفاذِ اسلام کے لیے متحد ومتفق نہ ہوئے تو یہ قومی جرم ہوگا۔

## پہلا کالم

# باغی کی موت

**اِس شمارے میں خلاف معمول کالم آف دی ویک کے طور پر دو کالم شائع کئے جا رہے ہیں۔ روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے یہ کالم معروف صحافی حامد میر کے ہیں۔ فاضل مضمون نگار نے سانحۂ لال مسجد کے ضمن میں اصل حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ (ادارہ)**

مولانا محمد عبداللہ مرحوم اپنے چھوٹے صاحبزادے عبدالرشید غازی سے اکثر شاکی رہتے تھے۔ مولانا صاحب مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے سربراہ تھے اور ملک بھر کے علماء میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں عبدالعزیز اور عبدالرشید کو بھی عالم دین بنانے کا فیصلہ کیا۔ عبدالعزیز نے انتہائی رضا و رغبت سے دینی تعلیم حاصل کی، لیکن عبدالرشید کو تاریخ پڑھنے کا شوق تھا۔ والد کو ناراض کر کے انہوں نے قائداعظمؒ یونیورسٹی اسلام آباد سے تاریخ میں ایم اے کیا۔ والد ان کی شادی خاندان میں کرنا چاہتے تھے، لیکن عبدالرشید غازی نے بڑی منت سماجت کر کے انہیں اسلام آباد کی ایک ماڈریٹ فیملی میں شادی کے لئے راضی کیا۔ مولانا عبداللہ کے خاندان کی عورتیں گھر سے باہر نہ نکلتی تھیں، لیکن عبدالرشید غازی کی اہلیہ اپنی سوزوکی آلٹو میں گھر سے نکلتیں تو انہیں گاڑی چلاتا دیکھ کر کچھ لوگ انگلیاں اٹھایا کرتے۔ لیکن عبدالرشید غازی کو کسی کی پروا نہ تھی۔ ان کی جدت پسندی کا یہ مطلب قطعاً نہ تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے دور تھے۔ وہ زمانہ طالب علمی سے ایک باریش نوجوان تھے، لیکن ہمیشہ یہی کہتے کہ اسلام صرف داڑھی اور ڈھیلا ڈھالا لباس نہیں ہے بلکہ اسلام ہمارے اندر ہونا چاہیے۔

1998ء میں مولانا محمد عبداللہ نے مولانا ظہور احمد علوی، قاری سعیدالرحمان اور کچھ دیگر علماء کے ہمراہ افغانستان کا دورہ کیا۔ مولانا صاحب اپنے باغی صاحبزادے عبدالرشید غازی کو بطور خاص ساتھ لے گئے۔ اس وفد کی قندھار میں ملا محمد عمر اور اسامہ بن لادن کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ عبدالرشید غازی نے اسامہ بن لادن کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی، لہٰذا ان کی ایک گھنٹہ تک علیحدہ ملاقات ہوئی۔ عبدالرشید غازی اپنے والد کی طرح عربی میں رواں نہ تھے، لہٰذا انہوں نے اسامہ بن لادن سے انگریزی میں گفتگو کی اور کچھ تیکھے سوالات بھی کئے۔ اسامہ بن لادن نے اس نوجوان کے تمام سوالات کے جوابات دیئے۔ گفتگو کے آخر میں عبدالرشید غازی نے اسامہ بن لادن کے ساتھ پڑا ہوا گلاس اٹھایا اور ان کا استعمال شدہ پانی پی لیا۔ اسامہ نے حیرانگی ظاہر کی تو غازی نے جواب میں کہا: میں نے آپ کا پانی اس لیے پیا تا کہ اللہ مجھے بھی مجاہد بنائے۔

قندھار سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد مولانا محمد عبداللہ کو

**آخری ملاقات میں عبدالرشید غازی نے چوہدری شجاعت حسین سے کہا کہ آپ مخلص انسان ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ حکومت اس مسئلے کو کچھ مزید لمبا کرے گی اور مناسب وقت پر ہمیں ختم کر کے امریکا کے سامنے سرخرو ہو جائے گی**

لال مسجد کے احاطے میں ایک نامعلوم شخص نے گولی مار کر شہید کر دیا۔ والد کی شہادت نے عبدالرشید غازی کو تبدیل کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ وفاقی وزارت تعلیم میں ملازمت کرتے تھے اور مسجد و مدرسے سے ان کا زیادہ تعلق نہ تھا۔ عبدالرشید غازی اپنے والد کے قاتلوں کے پیچھے پڑ گئے اور آخر کار ایک شخص گرفتار ہو گیا۔ اس شخص کو موقع واردات کے تمام عینی شاہدوں نے شناخت کر لیا، لیکن پولیس نے پراسرار طور پر اسے چھوڑ دیا۔ والد کا قاتل پولیس کے ہاتھوں نکلنے کے بعد عبدالرشید غازی کے اندر ایک طوفان نے جنم لیا۔ انہوں نے دینی علوم کا مطالعہ

**جس انداز میں لال مسجد کے خلاف طاقت استعمال کی گئی وہ قابل مذمت ہے۔ حکومت چاہتی تو یہ مسئلہ ایک گولی چلائے بغیر بھی حل ہو سکتا تھا لیکن کچھ عناصر نے دانستہ خونریزی کا راستہ اختیار کیا**

شروع کیا اور چند سالوں میں لال مسجد کے نائب خطیب بن گئے۔ جنوری 2007ء میں اسلام آباد میں سات مساجد کو شہید کیا گیا تو لال مسجد سے ملحقہ مدرسہ حفصہؓ کی طالبات نے ایک قریبی سرکاری لائبریری پر قبضہ کر لیا۔ لائبریری پر قبضہ مولانا عبدالعزیز اور ان کی اہلیہ ام حسان کا تھا۔ عبدالرشید غازی اس فیصلے کے خلاف تھے، لیکن انہوں نے بڑے بھائی کے احترام میں سرعام اختلاف رائے نہیں کیا۔ لائبریری کا قبضہ ختم کرانے کے لئے وفاقی وزیر اعجاز الحق اور وفاق المدارس نے کوششیں کیں۔ کم از کم دو مرتبہ عبدالرشید غازی لائبریری کا قبضہ ختم کرانے کے قریب پہنچ گئے لیکن ہر مرتبہ حکومت نے ایک اور مسجد کو نوٹس جاری کر کے ان کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ ایک موقع ایسا بھی آیا، جب عبدالرشید غازی نے مجھے کہا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت جان بوجھ کر یہ مسئلہ زندہ رکھنا چاہتی ہے تا کہ دینی مدارس کو بدنام کر سکے۔ طے ہوا کہ حکومت کی ہر طرح کی اشتعال انگیزی کے باوجود لائبریری کا قبضہ ختم کروا دیں گے۔ افسوس کہ مولانا عبدالعزیز اپنے چھوٹے بھائی کی بات نہ مانے کیونکہ انہیں کچھ ایسے عناصر کی حوصلہ افزائی حاصل تھی جو کچھ حکومتی اداروں کی سرپرستی میں تھے۔ مجھے وہ لمحات بھی یاد ہیں جب عبدالرشید غازی اپنے بھائی کی ہٹ دھرمی کے خلاف بغاوت پر اتر آئے، لیکن ان کی والدہ آڑے آ گئیں۔ والدہ نے غازی سے کہا کہ بڑے بھائی کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا۔ والدہ کے حکم پر غازی نے سر جھکا دیا۔ پھر آنٹی شمیم اغوا ہوئی، پولیس اہلکار اغوا ہوئے اور چینی باشندے اغوا ہوئے۔ کس کے حکم سے اغوا ہوئے یہ تو عبدالرشید غازی کو معلوم نہ ہوتا تھا، لیکن میڈیا میں لال مسجد کا دفاع بڑے بھائی کا حکم تھا اور وہ اس کی تعمیل کرتے رہے۔ غازی اور ان کے بھائی پر بہت سے الزامات لگے۔ اہم ترین الزام یہ تھا کہ انہوں نے حکومتی اداروں کی ملی بھگت سے ایک ڈرامہ رچا رکھا ہے تا کہ عوام کی توجہ عدالتی بحران سے ہٹی رہے۔ خود بے چارے غازی کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اس الزام کو غلط کیسے ثابت کرے۔ مئی 2007ء کے آخری ہفتے میں جنرل پرویز مشرف پر بھی یہ الزامات لگنے لگے کہ وہ جان بوجھ کر لال مسجد کے ذریعہ گڑبڑ پھیلا رہے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ چوہدری شجاعت حسین کے لال مسجد والوں کے ساتھ مذاکرات کامیاب ہو گئے لیکن انہیں کہا گیا کہ آپ مذاکرات کو لمبا کریں۔ چوہدری صاحب سے رہا نہ گیا اور انہوں نے مذاکرات کی ناکامی کی ذمہ داری حکومت پر عائد کر دی۔ آخری ملاقات میں عبدالرشید غازی نے چوہدری صاحب سے کہا کہ

آپ مخلص انسان ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ حکومت اس مسئلے کو کچھ مزید لمبا کرے گی اور مناسب وقت پر ہمیں ختم کر کے امریکا کے سامنے سرخرو ہو جائے گی۔ ایک دن عبدالرشید غازی نے یہ بھی کہا کہ اگر ہم واقعی قصوروار ہیں تو کیا حکومت ہماری بجلی پانی بند نہیں کرسکتی؟ ہم پھر بھی باز نہ آئیں تو اعصاب شکن گیس پھینک کر ہم سب کو گرفتار نہیں کرسکتی؟

سات جولائی کو چوہدری شجاعت حسین نے مجھے بلایا اور کہا کہ وہ آخری مرتبہ عبدالرشید غازی کے ساتھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں لیکن جو فون نمبران کے پاس تھے وہ سب بند ہوچکے ہیں۔ چوہدری صاحب دوبارہ رابطہ چاہتے تھے۔ میں نے کوشش کر کے غازی سے رابطہ کیا اور انہیں چوہدری صاحب کی خواہش سے آگاہ کیا۔ غازی ہنسے اور بولے کہ چوہدری صاحب معصوم ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ہمیں مارنے کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ میرے اصرار پر انہوں نے چوہدری صاحب سے دوبارہ رابطہ کیا اور یوں پھر سے مذاکرات شروع ہوگئے۔ ان مذاکرات میں غازی نے بار بار کہا کہ میرے بڑے بھائی عبدالعزیز کو دھوکے سے باہر بلاکر گرفتار کرلیا گیا اور مجھے باہر بلا کر مار دیا جائے گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ میں ذلت کی موت کی بجائے لڑتے ہوئے مارا جاؤں۔ آخر کار وہی ہوا اور غازی نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے لڑتے ہوئے جان دینے کو ترجیح دی۔ آخری رابطوں کے دوران میں نے غازی سے کہا کہ دونوں طرف مسلمان ہیں۔ کوئی راستہ نکالیں کہ مسلمان ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ غازی نے کہا کہ میں نے بہت کوشش کی لیکن حکومت ہمیں رسوا کرنا چاہتی ہے، یہ سارا معاملہ حکومت کا کھڑا کیا ہوا ہے، حکومت نے اس معاملے میں بہت سے سیاسی مقاصد حاصل کیے اور آخر میں ہمیں رسوا کر کے مزید کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ غازی کو یقین تھا کہ ان کی موت ہی ان کی فتح اور حکومت کی ناکامی ہوگی۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری موت ہماری بے گناہی ثابت کرے گی اور ہمارا بدلہ اس ملک کے غیرت مند مسلمان لیں گے۔ انہوں نے اپنی غلطیوں سے کبھی انکار نہ کیا لیکن بار بار کہا کہ ہماری غلطی اتنی بڑی نہ تھی۔ ہم نے مساجد کی شہادت پر احتجاج کرتے ہوئے

> **غازی نے ناانصافی کے ردعمل میں بغاوت کی۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ اس دنیا کی عدالت میں نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہوگا**

ایک لائبریری پر قبضہ کرلیا، ہم پر گولیاں اور بم برسائے جا رہے ہیں جبکہ مساجد شہید کرنے والوں کو کسی نے نہیں پوچھا۔ غازی نے جان کی قربانی دے کر وہ داغ دھوڈالا جو ان کے بھائی کی برقعے میں گرفتاری سے ان کے خاندان کی عزت پر لگا تھا۔ میں نے لال مسجد انتظامیہ کے اقدامات کی کبھی حمایت نہیں کی لیکن جس انداز میں لال مسجد کے خلاف طاقت استعمال کی گئی وہ قابل مذمت ہے۔ حکومت چاہتی تو یہ مسئلہ ایک گولی چلائے بغیر بھی حل ہوسکتا تھا لیکن کچھ عناصر نے دانستہ خونریزی کا راستہ اختیار کیا۔ عبدالرشید غازی مرنے کے بعد پہلے سے زیادہ خطرناک ہوگئے، اس لئے انہیں اسلام آباد میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کرنے کی بجائے روجھان مزاری میں دفن کیا گیا۔ غازی کو اپنے والد کے قتل پر انصاف مل جاتا تو وہ شاید آج بھی وزارت تعلیم میں ایک افسر ہوتے۔ انہوں نے ناانصافی کے ردعمل میں بغاوت کی۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ اس دنیا کی عدالت میں نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہوگا۔

◆ ◆ ◆

**دوسرا کالم**

# انتہا پسند کون؟

خطوط کا انبار ہے۔ ٹیلی فون کالز اور ای میلز کی بھرمار ہے۔ غصے میں بپھرے ہوئے لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم افغانستان، عراق اور لبنان کے جنگ زدہ علاقوں میں داخل ہوکر صحافتی فرائض سرانجام دے سکتے ہو لیکن اسلام آباد کے سیکٹر جی سکس کی لال مسجد میں کیوں داخل نہ ہوسکے؟ میں نے بہت دلائل پیش کیے۔ کرفیو کی پابندیوں کا ذکر کیا، لیکن لوگوں کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ جو غصے میں نہیں وہ افسردہ ہیں۔ کینسر کی ایک مریضہ بار بار کراچی سے فون پر پوچھتی ہیں کہ چوہدری شجاعت حسین لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں ہونے والی خونریزی کیوں نہ رکواسکے؟ میرے جوابات سے مطمئن نہ ہو کر وہ رونا شروع کر دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ کاش! سانحہ لال مسجد سے پہلے انہیں موت آجاتی۔ پچھلے تین چار دنوں سے پاکستان کے اندر اور باہر سے لوگ ٹیلی فون پر حکومت کے بارے میں جس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں، اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ میرے تمام ٹیلی فون ٹیپ ہوتے ہیں۔ وہ ادارے جو میرے ٹیلی فون ٹیپ کرتے ہیں، ان کو چاہیے کہ پچھلے چند دنوں سے میں جس قسم کی کالیں سن رہا ہوں، ان کی تفصیلات سے جنرل پرویز مشرف کو ضرور آگاہ کریں۔ حیران کن پہلو یہ ہے کہ عام پاکستانی سانحہ لال مسجد پر ایک طرف حکومت سے ناراض ہے تو دوسری طرف اپوزیشن سے بھی شاکی ہے۔ بہت سی خواتین نے بے نظیر بھٹو کی طرف سے لال مسجد کے خلاف طاقت کے استعمال کی حمایت پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ کئی نوجوانوں نے پوچھا ہے کہ لندن میں نواز شریف کی آل پارٹیز کانفرنس میں سانحہ لال مسجد کی کھل کر مذمت کیوں نہ کی گئی؟ اس کانفرنس نے ملعون رشدی کی بھی کھل کر مذمت نہیں کی۔ عام پاکستانی نے کبھی بھی لال مسجد والوں کی طرف سے مساجد کی شہادت پر احتجاج کے طریقہ کار کی حمایت نہ کی تھی، لیکن لال مسجد کے خلاف طاقت کے اندھا دھند استعمال پر عاصمہ جہانگیر بھی بلبلا اٹھیں جو لال مسجد کی ایک بڑی ناقد تھیں۔ وہ انتہا پسندی کا جواب انتہا پسندی کو نہیں سمجھتیں۔

> **عبدالرشید غازی کی شہادت سے اگلے دن حکومت نے صحافیوں کو لال مسجد کا دورہ کرایا اور بہت سا اسلحہ دکھایا جس میں راکٹ لانچر بھی موجود تھے۔ لوگ پوچھتے ہیں پھر عبدالرشید غازی اور ان کے ساتھیوں نے یہ راکٹ لانچر چلائے کیوں نہیں؟**

عام لوگوں کی طرف سے دو سوالات تواتر کے ساتھ اُٹھائے جا رہے ہیں۔ پہلا یہ کہ عبدالرشید غازی اور حکومت میں مذاکرات کیوں ناکام ہوئے؟ دوسرا یہ کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کے اندر شہید ہونے والے طلبہ و طالبات کی لاشیں قابل شناخت کیوں نہ رہیں اور کیا بڑی تعداد میں لاشوں کو غائب کر دیا گیا.....؟ جہاں تک مجھے حقائق کا علم ہے تو عبدالرشید غازی نے آخری وقت تک مذاکرات کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی زندگیاں بچانا چاہتا تھے لیکن عزت کے ساتھ..... مذاکرات کی ناکامی کی وجہ حکومت کے ساتھ ساتھ ان علماء کا رویہ بھی ہے جو آخری وقت میں چوہدری شجاعت حسین کے ہمراہ لال مسجد کے باہر موجود تھے۔ بعض علماء کا رویہ انتہائی غیر سنجیدہ تھا۔ چوہدری شجاعت حسین اور مولانا فضل الرحمان خلیل موبائل فون پر عبدالرشید غازی کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے اور ان کے ساتھ موجود بعض علماء آپس میں قہقہے لگا رہے تھے۔ ایک موقع ایسا

بھی آیا کہ علماء کے قہقہے روکنے کے لئے چوہدری شجاعت حسین کے کچھ ساتھیوں کو ان سے باقاعدہ درخواست کرنی پڑی۔ شام چھ بجے شروع ہونے والی بات چیت رات کے پچھلے پہر میں داخل ہوئی تو ان علماء نے اسلام آباد کے بلیوایریا سے کھانا منگوا کر کھانا شروع کر دیا جبکہ شجاعت حسین اور فضل الرحمان خلیل بسکٹوں اور پانی پر گزارا کر رہے تھے۔ ان دونوں نے عبدالرشید غازی سے پوچھا کہ کیا آپ نے کچھ کھایا ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا اور کہا کہ اگر آپ چند سو افراد کا کھانا بھجوا دیں تو ہم سمجھیں گے کہ آپ واقعی ہمارے خیر خواہ ہیں۔ چوہدری شجاعت حسین نے فوری طور پر تین سو آدمیوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لئے اپنے آدمی دوڑائے۔ اس دوران عبدالرشید غازی اپنے چند مبینہ غیر ملکی ساتھیوں کو حکومت کے حوالے کرنے پر راضی ہو چکے تھے کیونکہ یہ چھوٹی چھوٹی عمروں کے طلبہ تھے۔ وہ لال مسجد اور جامعہ فرید یہ بھی چھوڑنے والے تھے۔ موقع پر موجود علماء جامعہ فرید یہ کو وفاق المدارس کے حوالے کرانا چاہتے تھے لیکن حکومت راضی نہ تھی۔ یہ اتنا اہم مسئلہ نہ تھا۔ اصل مسئلہ لال مسجد اور محصور سینکڑوں طلبہ و طالبات کی زندگیاں بچانا تھا لیکن مولانا حنیف جالندھری اور ان کے ساتھی علماء اس مسئلے پر مذاکرات کو چھوڑ کر چلے گئے۔ صرف مولانا فضل الرحمان خلیل وہاں رہ گئے۔ انہوں نے آخر میں عبدالرشید غازی کو 20 عورتیں اور مرد باہر بھیجنے پر راضی کر لیا لیکن اس دوران عبدالرشید غازی کے موبائل فون کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ مولانا فضل الرحمان خلیل اور چوہدری صاحب رابطہ دوبارہ بحال کرنے کا راستہ نکال ہی رہے تھے کہ آپریشن شروع ہو گیا۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں موجود بھوکے پیاسے مردوں کے پاس مزاحمت کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا اور مجبور عورتوں نے خاموشی سے موت کے منہ میں جانا قبول کر لیا۔ کتنی عورتیں اور بچیاں شہید ہوئیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا حکومت کے پاس کوئی تسلی بخش جواب نہیں۔ عبدالرشید غازی کی شہادت سے اگلے دن حکومت نے صحافیوں کو لال مسجد کا دورہ کرایا اور بہت سا اسلحہ دکھایا جس میں راکٹ لانچر بھی موجود تھے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ عبدالرشید غازی اور ان کے ساتھیوں نے یہ راکٹ لانچر کیوں نہ چلائے؟ لوگوں کے غم و غصے کو دیکھتے ہوئے وفاق المدارس نے 13 جولائی کو یوم احتجاج کا اعلان کیا۔ عجیب بات تھی کہ سانحہ لال مسجد اسلام آباد میں واقع پذیر ہوا اور وفاق المدارس کی قیادت نے اسلام آباد میں کوئی احتجاج نہیں کیا بلکہ حکومت کو یقین دلایا کہ اسلام آباد میں مدارس کے طلبہ کوئی احتجاج نہ کریں گے۔ راولپنڈی کی ایک مسجد میں جمعہ کے خطبے کے دوران خطیب نے عبدالرشید غازی پر تنقید کی تو نمازیوں نے اسے منبر سے گھسیٹ کر نیچے اتار لیا اور نعرے بازی شروع کر دی۔ مجلس عمل کی قیادت بھی اسلام آباد سے غائب رہی۔ عبدالغفور حیدری کا ایک چھوٹے سے اجتماع سے خطاب کاغذی کارروائی کے مترادف تھا۔ وفاق المدارس اور مجلس عمل کی مصلحت پسندی سے سیاسی احتجاج کی شدت کم رہی لیکن خودکش حملوں میں اضافہ ہو گیا۔ دینی قیادت سے نوجوانوں کی مایوسی انتہا پسندی میں اضافے کا باعث بن سکتی ہے۔

اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا لال مسجد کے خلاف آپریشن سے پاکستان میں انتہا پسندی کم ہو گی؟ جواب نفی میں ہے۔ اس آپریشن سے اگلے روز اسلام آباد کے سیکٹر ایف تین تھری میں ایک خاتون وزیر مملکت نے ایک ڈانسنگ کلب کا افتتاح کیا۔ اس علاقے میں شراب فروخت کرنے کی دکان بھی قائم ہو چکی ہے۔ کیا ڈانسنگ کلب اور شراب خانے قائم کر کے پاکستان میں انتہا پسندی کم ہو جائے گی؟ سچ تو یہ ہے کہ مذہبی انتہا پسندی دراصل لبرل اور سیکولر انتہا پسندی کا ردعمل ہے۔ جب تک مغرب پسند لبرل اور سیکولر حکمران طبقہ اپنی انتہا پسندی ختم نہیں کرتا معاشرے میں اعتدال پسندی فروغ نہ پائے گی۔ ذرا سوچئے! اگر برطانوی حکومت کی پالیسیاں وہاں کے مسلمان ڈاکٹروں کو انتہا پسند بنا سکتی ہیں تو ہمارے حکمرانوں کی انتہا پسندی ہمارے نیم پڑھے لکھے مذہبی نوجوانوں کو کدھر لے کر جائے گی؟

## مرے وطن ترے دامانِ تار تار کی خیر

**فیض احمد فیض کی سوچ پر اگرچہ اشتراکیت کی چھاپ گہری تھی، لیکن اِسی اعتبار سے مقصدیت کا مثبت رنگ بھی غالب تھا۔ وطن کی حالت زار پر ان کی یہ نظم جو آج کے حالات پر بھی بہت حد تک صادق آتی ہے، ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے۔**

دیارِ یار تری جوششِ جنوں پہ سلام
مرے وطن ترے دامانِ تار تار کی خیر
رہِ یقیں تری افشانِ خاک و خوں پہ سلام
مرے چمن ترے زخموں کے لالہ زار کی خیر
ہر ایک خانۂ ویراں کی تیرگی پہ سلام
ہر ایک خاک بسر، خانماں خراب کی خیر
ہر ایک کشتۂ ناحق کی خامشی پہ سلام
ہر ایک دیدۂ پُرنم کی آب و تاب کی خیر
رواں رہے یہ روایت، خوشا ضمانت غم
نشاطِ ختمِ غمِ کائنات سے پہلے
ہر اک کے ساتھ رہے دولتِ امانتِ غم
کوئی نجات نہ پائے نجات سے پہلے
سکوں ملے نہ کبھی تیرے پاؤ فگاروں کو
جمالِ خونِ سرِ خار کو نظر نہ لگے
اماں ملے نہ کہیں تیرے جاں نثاروں کو
جلالِ فرقِ سرِدار کو نظر نہ لگے

## امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ جہلم

28 جون 2007ء بروز جمعرات امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب نے ناظم اعلیٰ جناب اظہر بختیار خلجی اور معتمد عمومی حلقہ پنجاب شمالی جناب راجہ محمد اصغر کے ہمراہ جہلم کا دورہ کیا۔ یہ دورہ امیر تنظیم اسلامی کے پورے ملک میں کیے جانے والے عمومی دوروں کے سلسلے کا حصہ تھا۔ دورے کا مقصد رفقاء تنظیم سے ملاقات تھا۔

تیز بارش کے باوجود معزز مہمانانِ گرامی وقت مقررہ پر قبل از نماز مغرب جہلم پہنچ گئے۔ مقامی امیر تنظیم جناب خلیل الرحمٰن کیانی اور ناظم دعوت جناب ساجد سہل نے معزز مہمانوں کا استقبال کیا۔ جامع مسجد حنفیہ مجاہد آباد میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد امیر تنظیم اسلامی نے نمازیوں سے ''ملعون سلمان رشدی اور مغرب کا متعصبانہ رویہ'' کے موضوع پر مختصر خطاب کیا۔ بعدازاں امیر تنظیم اسلامی رفقاء تنظیم سے ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔

پروگرام کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے کیا گیا۔ جس کی سعادت جناب عارف قریشی نے حاصل کی۔ خلیل الرحمٰن کیانی نے ابتدائی کلمات کہے۔ شرکائے محفل نے اپنا مختصر ذاتی تعارف پیش کیا۔ تعارف کے بعد امیر تنظیم اسلامی نے شرکاء کے سوالات کے جوابات دیئے۔ انہوں نے حالات حاضرہ سے متعلق مختصر خطاب بھی کیا اور مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں اوران سے عہدہ برآ ہونے کے طریقہ کار کو واضح کیا۔ بعدازنماز عشاء کھانے کا انتظام کیا گیا۔ کھانے کے بعد اختتامی دعا ہوئی اور پھر مہمانانِ گرامی رات گیارہ بجے رخصت ہوئے اور اس کے ساتھ ہی یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

## انفرادی دعوت مہم کے سلسلہ میں فالواپ ٹیم کا دورہ حلقہ وسطی پنجاب

انفرادی دعوتی مہم کے دوسرے مرحلہ میں ''فالواپ ٹیم'' جو جناب محمد اشرف وصی اور جناب ناصر اقبال بھٹی پر مشتمل تھی، سہ روزہ دورہ پر جھنگ پہنچی۔ اس دورہ کا پہلا پروگرام ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ہوا۔ پروگرام طے شدہ شیڈول کے مطابق 4 بجے الہدیٰ لائبریری ٹوبہ میں شروع ہوا۔ پہلا حصہ جو دو گھنٹے پر مشتمل تھا، نقباء کے لئے تھا۔ اس میں ٹوبہ کے دونوں نقباء امیر حلقہ محترم مختار حسین فاروقی اور راقم شریک ہوئے۔

محمد اشرف وصی نے نظام دعوت پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ ساڑھے چھ بجے وقفہ برائے نماز مغرب ہوا۔ بعدازنماز مغرب پروگرام کا دوسرا حصہ جو احباب کے متعلق تھا شروع ہوا۔ ٹوبہ سے تین احباب اور رفقاء نے شرکت کی۔ محمد ناصر اقبال بھٹی نے فہم دین پر مفصل گفتگو فرمائی۔ یہ پروگرام 9 بجے ختم ہوا۔ دوران پروگرام شرکاء کی تواضع کی گئی۔ اسی سلسلہ میں دوسرا پروگرام 4 بجے قرآن اکیڈمی جھنگ میں ہوا۔ محمد ناصر بھٹی صاحب نے نظام دعوت پر لیکچر دیا۔ بعدازنماز مغرب محمد اشرف وصی نے فہم دین پر لیکچر دیا۔ تیسرا پروگرام الہدیٰ لائبریری لیہ ہوا۔ راقم مرکزی ٹیم کے ہمراہ تقریباً 12 بجے دن لیہ پہنچ گیا۔ یہاں پر پروگرام کا پہلا حصہ شروع ہوا۔ بہرحال جناب محمد اشرف وصی نے نظام دعوت پر گفتگو فرمائی۔ تقریباً سات بجے دوسرے حصے کا پروگرام شروع ہوا۔ محمد ناصر اقبال بھٹی نے فہم دین پر روشنی ڈالی۔ پروگرام میں شریک احباب نے سوالات کیے، جن کے جوابات دیئے گئے۔ اس طرح یہ سہ روزہ پروگرام ساڑھے نو بجے اختتام پذیر ہوا۔ امید ہے اس پروگرام کے رفقاء پر مثبت نتائج مرتب ہوں گے۔ (ان شاء اللہ)

(رانا صبغت اللہ)

## پریس ریلیز

13 جولائی 2007ء

**''جامعہ حفصہ کا سانحۂ فاجعہ صدر مشرف کی بدنیتی پر مبنی پالیسی کا شاخسانہ ہے، ورنہ یہ ہرگز ایسا کوئی لاینحل مسئلہ نہیں تھا جسے باہم افہام وتفہیم سے حل نہ کیا جاسکتا۔''**

### ڈاکٹر اسرار احمد

ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع مسجد' قرآن اکیڈمی میں نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جامعہ حفصہ کا سانحۂ فاجعہ صرف اور صرف صدر مشرف کی بدنیتی پر مبنی پالیسی کا شاخسانہ ہے کیونکہ انہیں سب سے پہلے اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے جس کے لیے وہ امریکہ' برطانیہ بلکہ اب تو چین اور بھارت کی تائید اور حمایت کے بھی محتاج ہو گئے ہیں ورنہ یہ ہرگز ایسا کوئی لاینحل مسئلہ نہیں تھا جسے باہم افہام وتفہیم سے حل نہ کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس قسم کے واقعات دیگر ممالک میں بھی ہوتے ہیں' یہاں تک کہ خود امریکہ میں ڈیوڈ کریش اور اس کے گروہ کو ایک ہلہ میں ختم کر دیا گیا تھا مگر جس طرح جامعہ حفصہ کے بچوں اور بچیوں کو تر سا تر سا کر اور بھوکا پیاسا رکھ کر بے دریغ قتل کیا گیا ہے، وہ ایک بدترین مثال ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ صدر نے جس انداز میں اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا ہے وہ سراسر منافقانہ ہے کیونکہ خود کردہ را علاج نیست کے مصداق وہ اب کس منہ سے بات کریں۔ کم وبیش یہی معاملہ سیاسی جماعتوں اور مذہبی رہنماؤں کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مجھے شروع سے ہی خدشہ تھا کہ حکومت ڈرامہ بازی کر رہی ہے اور اس تنازعہ کا انجام اچھا نہیں ہو گا بلکہ میں نے ایک موقع پر اس خدشہ کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن ایک تو مجھے ہرگز یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ انجام اس درجہ اندوہناک ہو گا۔ دوسرے میری وہ حیثیت بھی نہیں تھی' نہ ہی صحت اتنی اچھی تھی کہ میں کوئی مصالحانہ کردار ادا کر پاتا۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے ان تمام شہداء کے لیے مغفرت کی دعا کی اور دعا کی کہ اللہ ہمیں بھی شہادت کی موت نصیب کرے۔ (معتمد ذاتی، سردار اعوان)

## فلسطینی پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا جائے

فلسطین اتھارٹی کے صدر محمود عباس نے سلام فیاض کو دوبارہ عبوری وزیر اعظم مقرر کر دیا ہے، تاہم حماس ان کی حکومت تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ حماس کا کہنا ہے کہ صدر غیر قانونی اور غیر آئینی اقدامات کر رہے ہیں۔ اس نے مطالبہ کیا ہے کہ فلسطینی پارلیمان کا خصوصی اجلاس بلایا جائے تا کہ صدر محمود عباس کے اقدامات کو چیلنج کیا جاسکے۔ یاد رہے کہ 14 جون کو حماس نے غزہ کی پٹی پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی، اس پر صدر نے حماس کی حکومت کو برخاست کر دیا اور اتھارٹی میں ایمرجنسی نافذ کر دی۔

## عراق سے فوجیں نکال لو

امریکا کی برسر اقتدار ریپبلکن پارٹی کے دو سینئر سینیٹروں رچرڈ لوگار اور جان وارنر نے صدر بش پر زور دیا ہے کہ وہ جلد از جلد عراق سے امریکی افواج واپس بلا لیں ورنہ انہیں برا دن دیکھنا پڑ سکتا ہے۔ عراق کے حالات اب اتنے خراب ہو گئے ہیں کہ امریکا میں پہلے جو رہنما فوجیں واپس بلوانے کے حق میں نہیں تھے، انہوں نے بھی اپنے خیالات تبدیل کر لیے ہیں، مگر صدر بش وہی مرغ کی ایک ٹانگ پر کھڑے ہیں۔

## فلسطینی قیدیوں کی رہائی

اسرائیل نے فلسطین کے 250 قیدی رہا کر دیے ہیں۔ یہ اقدام اس لیے کیا گیا تا کہ صدر محمود عباس کی حکومت سے پائیدار دوستانہ تعلقات قائم رکھے جاسکیں۔ یاد رہے کہ امریکا، اسرائیل اور یورپی یونین محمود عباس کی حکومت کی پشت پناہی کر رہے ہیں، کیونکہ وہ انہیں "اعتدال پسند" رہنما سمجھتے ہیں۔ اسی لیے اتھارٹی کو دوبارہ امداد بھی ملنے لگی ہے۔ لوگوں کی معاشی مجبوریاں نظر میں رکھ کر مسلمانوں کے دشمن بڑی عیاری سے چالیں چل رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ فلسطینی اپنے ہی جھگڑوں میں الجھ گئے ہیں، اب وہ دوسروں کی چالوں پر کیا توجہ دیں گے۔

## سگریٹ نوش نہیں چاہیے

پاس، ملائیشیا اسلامک پارٹی ملائیشیا کی ایک بڑی جماعت ہے۔ اس نے حال ہی میں اعلان کیا ہے کہ آنے والے انتخابات کے سلسلے میں صرف انہی امیدواروں کو ٹکٹ دیے جائیں گے جو سگریٹ نوش نہ ہوں یا تمباکو چھوڑنے کو تیار ہوں۔ پارٹی کے روحانی پیشوا، نک عبدالعزیز کا کہنا ہے کہ سگریٹ نوشی غیر اسلامی ہے اور جو لوگ تمباکو پیتے ہیں، وہ اسلام کو صحیح طرح سمجھ نہیں پاتے۔

## سربرینکا کے مزید متوفی

بوسنیا کے شہر سربرینکا کے مضافات سے ان 465 مسلمانوں کی لاشیں ملی ہیں جنہیں جولائی 1995ء میں وحشی بوسنیائی سربوں نے شہید کر دیا تھا۔ اس قتل عام میں ایک اندازے کے مطابق آٹھ ہزار مسلمان شہید ہوئے تھے۔ نو دریافت شدہ شہیدوں کو قتل عام کے بعد ہر ایک اجتماعی قبر میں دفن کر دیا گیا تھا۔

## امریکی حکومت کو حملے کا خطرہ

امریکا کے سیکرٹری داخلہ مائیکل شرٹوف نے ایک امریکی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا ہے کہ آنے والے مہینوں میں القاعدہ امریکی شہروں میں کوئی بڑا حملہ کر سکتی ہے۔ گو انہوں نے کہا کہ القاعدہ اب پہلے جیسی منظم نہیں رہی تاہم وہ حملے کرنے کے قابل ضرور ہے۔ آئے روز خطرہ خطرہ کی دہائی اس لیے دی جاتی ہے تا کہ اسلامی تحریکوں کے خلاف کارروائی کے بہانہ کا تسلسل قائم رہے۔

## بلی چوہے کا کھیل

امریکی وزیر خارجہ، کونڈولیزا رائس نے سوڈانی حکومت پر الزام لگایا ہے کہ وہ امریکا کے ساتھ بلی چوہے کا کھیل کھیل رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سوڈانی صدر نے اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ دارفر میں افریقی یونین کی ناتجربہ کار سات ہزار فوج کی جگہ نئی فوج لے گی مگر وہ اس امر میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ اُدھر سوڈانی حکومت نے اس بات کی تردید کی ہے بلکہ کہا ہے کہ دارفر میں امن فوج متعین کرنے میں اقوام متحدہ سستی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

## بنگلہ دیش میں سترہ ہزار افراد گرفتار

بنگلہ دیشی حکومت کے ایک ترجمان نے خبر دی ہے کہ بے ایمان اور کرپٹ لوگوں کے خلاف مہم چلاتے ہوئے عبوری حکومت اب تک سترہ ہزار افراد کو گرفتار کر چکی ہے۔ گرفتار شدگان میں سے 150 بنگلہ دیش کے اہم سیاست دان، صنعت کار، تاجر اور بیوروکریٹ ہیں۔ یاد رہے کہ عبوری حکومت 2008ء کے آخر میں ہونے والے پارلیمانی انتخابات سے قبل بنگلہ دیشی سیاست کو کرپٹ سیاست دانوں سے پاک کرنا چاہتی ہے۔

## اسامہ کے سر کی نئی قیمت

امریکی سینٹ نے اسامہ بن لادن کے سر کی قیمت دوگنی کر دی ہے۔ اس امر سے امریکیوں کے خوف اور تشویش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پہلے قیمت ڈھائی کروڑ ڈالر تھی، اب پانچ کروڑ کر دی گئی ہے۔ پاکستانی کرنسی میں یہ رقم تقریباً تین ارب روپے بنتی ہے۔ ڈیڑھ ارب روپے بھی معمولی رقم نہیں، لیکن آج تک کسی نے اسامہ کا پتا نہیں بتایا حالانکہ اگر وہ افغانستان میں ہے، تو یقیناً کئی لوگ اس کے رہنے سہنے سے واقف ہوں گے۔

## کینیڈین اپنی فوج کی واپسی چاہتے ہیں

کینیڈا میں کیے گئے ایک حالیہ سروے سے انکشاف ہوا ہے کہ کینیڈینوں کی اکثریت اپنے فوجیوں کو افغانستان میں نہیں دیکھنا چاہتی۔ یہ سروے ظاہر کرتا ہے کہ وزیر اعظم سٹیفن ہارپر کو فوراً اپنی حکمت عملی تبدیل کر لینی چاہیے، ورنہ انہیں غیر مقبولیت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ مزید براں کینیڈین عوام چاہتے ہیں کہ ان کی فوج افغانستان میں مرنے مارنے کے بجائے وہاں تعمیر نو کا کام کرے، افغانوں کو نفسیاتی اور جسمانی طور پر سہارا دے جو کئی برس سے جنگ سے تباہ حال ہیں۔

## موغا دیشو میں دوبارہ لڑائی

اسلام پسندوں اور صومالی قوم پرستوں کے مابین صومالیہ کے دارالحکومت موغا دیشو میں پھر جھڑپیں شروع ہو گئی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابھی اسلام پسندوں میں دم خم ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ ایتھوپیا خفیہ طور پر ان پر حکمرانی کرے۔ تاہم ان کے مخالفین نے جدید اسلحے کے بل پر انہیں خاصی حد تک زیر کر لیا ہے۔

## لبنان میں خانہ جنگی

لبنانی فوج اور فلسطینی مہاجرین کے مابین لڑائی کا سلسلہ جاری ہے اور آئے روز اس میں کئی افراد مر جاتے ہیں۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ حزب اللہ کی سرکردگی میں لبنانیوں نے اسرائیل کو ناک چنے چبوا دیے تھے لیکن بدقسمتی سے وہ اپنی صفوں میں اتحاد باقی نہیں رکھ سکے۔ دشمن کا خطرہ ٹلتے ہی قدیم اختلافات پھر سامنے آ گئے ہیں اور لبنان پھر عدم استحکام کا شکار ہو گیا۔

international reasons. Locally apart from governmental bodies as police, the PPP was not happy so were leaders of other major sect who consider Islamabad's seat as their own seat.

Then it was convenient for MMA and PML (Q) to have such a man to remind government that PPP-Musharaf alliance cannot work for itself. Besides the last operation was started even when Shujaat was standing there trying to negotiate, a message clear to all as to who is incharge . Shujaat was offcourse trying to keep his name clear of suicide bombers of the future for record before visiting abroad again to get treatment in Germany or Spain as is his custom.

Now As far as The Hafsa brigade and Red Mosque people were concerned, they were not threat to the neighbours despite the claims of the government.

This scribe visited mosque two days before, there was relaxation all around , some videos were being sold, near the outer gate some sticks were lying as the only symbol of tensions. All old residents of Islamabad know that the whole city was being converted to mini brothel houses near every street and city police has a share in it no doubt .

Residents were delighted at this action and such actions by other conscience active groups is welcome in future as well. Hafsa had the support of neighbourhoods which is why curfew is taking so long to lift. It was not just a militant Islam it was neighbourhood watch platoon too and popular too.

Then There are other possible purely military reasons why it ended in death of 1300 persons including women and children .The commando unit used was Musharaf's own platoon once was not performing well at all against amateur Islamic fighters, with no results except a dead colonel incharge , similarly going by governmental claims that head money was due on some inmates meant financial inducements and to merely let them go to save women and children was just bad business.

The likelihood is that army gave up the idea of saving and instead concentrating on dropping explosives, burning people and they killed 300 each on two consecutive nights perhaps and now wanted some legal cover up, which supreme court order provided courtesy Nawaz Abassi known to be sympathetic with the government on chief justice case along with Bhagwandas and Khokhar.

With operation ended, immediate sup- port came from persons like Benazir who for ten years is not in the country (and has as per Fatima Bhutto has blood on her hand),thenCDA employees were used for washing blood, pretext was made that there were no significant hostage number inside (misleading intelligence alibi) etc.

Arms cache were placed, journalists invited. All this is of no avail as so many persons and onlookers are there so that international massacre investigation will easily fix exactly what happened and how many died and how all as a result of forensic expertise which would not take more than six weeks.

The main immediate political conse- , quence of Hafsa massacre was breakup or Benazir Nawaz Sharif alliance i.e the ARD and formation of a clear alternative antigovernmental front in London. With Pushtuns angry on Afghan and Karachi massacre by MQM .Mullahs angry on Hafsa and Nishtar park massacre ( via special antipersonnel bomb which explodes in mid air killing people but not damaging stage) .Baluch angry at Bugti's murder, Mengal's internment and Sindhis unhappy anyway. there is not much political capital left for the regime .

The new situation has other long term consequences. It weakens Pakistan army as its Team B the through Madrassa acquired Gurellas can now not raised in any substantial in any conflict be it Kashmir or elsewhere as none can be recruited, Madrassa running people as Fazl have nothing to show to endear Musharaf or Benazir to his constituency. Hence this new alliance of anti governmental parties may not break significantly in the long run despite government efforts.

Clearly this massacre of asocial reformer and his dedicated pupils will not, be forgotten by history but more worrisome is that Already extreme elements are convinced they might really finally get Alqaeeda going up in Pakistan. The messages by Hikmatyar , Aiman Zwahiri and even Taliban commander Mansoor Dadullah mean they are finally seeing light in Pakistan. USA whose "project Anarchy" code name "Democracy" is going well in Iraq, Afghanistan, Somalia, Palestine and Lebanon, is now a step closer in Pakistan.,

If Pakistan's army does not get good think tanks to govern it soon, the possibility of NATO troops landing to ostensibly help weakened army and carry the nuke away leaving sectarian conflict in Pakistan is ever closer and likely,

The death squads of Chile former dictator is nothing in comparison and the record of arranging massacres by John Negroponte is one more point plus, that is the final statistic of importance to some in the west .

I hope the story of Gassed ,suffocated and finally Burnt children during operation "Silence" and the interned, raped, kidnapped female students, post operation of Hafsa is told one day as how wine imbibing power drunken stooges of west can do to a civil society and still smile in the name of defending motherland as they did in 1971. What more can one expect from dual nationality prime ministers to do .

I did my part media should do its duty and help rid evils.

(Courtesy: The Frontier Post)

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No. 28

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore

View Point

M. I. Shaikh

# Hafsa roasting truth versus politics and myth

Those of us who have seen Pakistan army at its height of public esteem in the 1960's were shocked when reports emerged that in 1971 they bombed private Houses with live inmates inside just because some flags were hanging on their roofs. West Pakistanis did not believe it even though parting autobiography of the ill famed Gen. Niazi confirms this. Now as we see charred burnt Hafsa students and Blackened walls, it seems believable and likely. We are a thoroughly let down nation by our dearest and most pampered ones i.e the army.

As details emerge from local residents, hospital sources, visits to the site, CDA controlled Graveyards and general media , it seems that 'operation silence" was more like a setup to kill and roast a thousand plus students including children to please West and to continue an illegitimate rule whatever the civil society wants or humanity needs. .It was hardly designed to save students of whom about 1300 are missing. It stands in contrast to PIA Hijacking in 1980's when Gen. Zia released all political detainees asked for to save the PIA passengers. Clearly it is an Hague tribunal eligible type massacre reminiscent of Bosnia.

In order to understand this "misadventure" (which undoubtedly has pitched Pakistan's army against Islamicists forces in Punjab's toc for the first unless there is early damage control) certain aspects of Rasheed Ghazi need to be known .

Rasheed Ghazi was helpful in making Waziristan agreement possible to save Pakistani soldiers from unnecessary casualties. It is also rumoured in international press that Mullah Omar of Taliban sent the late Mullah Dadullah to Waziristan to con- vince Waziris to sign peace agreement with Musharaf government, this subsequently resulted in higher casualties for NATO troops and so heightened western antagonism for both so not surprisingly therefore both Mullah Dadullah and Mullah Rasheed Ghazi lay martyred today. The serenity , calm and politeness of Rasheed Ghazi in giving interviews in the days leading to the Hafsa Massacre of religious students by the elite forces was phenomenal. He did not show any anxiety or fear of impending death nor did he call names to Musharaf like any desperate man would do. He infact did invite journalists to come in to see for themselves the result of the massacre for themselves an offer which could not be utilized under pressure from the troops .

The role of supreme court in this matter is an engima if not an outright disgrace. Rasheed Ghazi had clearly indicated that he is ready to accept supreme court verdict and inquiry but the Supreme court in its much belated suo moto notice (bullets were reaching Supreme court) did not order cessation of firing but rather appointed a district judge to be present on surinder.

It further commented via a judge that courts cannot order cessation of firing by a governmental department which is sure recipe of further brutality in this episode and for times to come as it open another issue which is rights of citizen versus army soldier to atleast life if not water, sui gas , electricity , movement or safety of House which were denied to inmates of Hafsa and even close by G6 residents, a clear reminiscence of Karbala.

The role of governmental media under its information secretary , minister etc was only to mislead, and that too much pro- foundly. Governmental propaganda of advanced weaponry etc with Hafsa people has been doubted by even Musharaf former colleague Haider. The non possession of APC armour piercing weapon or other weaponry which is routine in Iraq and Afghan Jehad confirms that the group was not well armed for any real battle of substance. Local residents of G6 point out that Governmental Junta waslirinost always first to fire at night besides Hafsa's people respect for civic order is shown by the fact that G6 residents were able to have curfew breaks in which little fighting occurred .

The superficial role of the Politicians and the Mullahs in the matter created the false impression in public's mind that the powers that matter are really interested in saving the lives of the children and women inside and that a settlement is possible. It is however true that many direct contacts between Rasheed Ghazi and press -did however delay the operation which initially might have been set for one big Bomb to be dropped in early days of the conflict perhaps Wednesday between 7-10 Pm which was supposed to kill all. It was ultimately to Ghazi Rasheed's detriment that he enjoyed the media show and depleted his mobile batteries and perhaps this effort to settle things might have stopped him from escaping or going deep in the com- plex or to arrange some extraneous help.

Ghazi Rasheed was not a professional Friday Mullah so he opted to take all risks including accepting governmental mobile which clearly indicate position for any good hit man .This might explains why he died rather early in the operation. May be he wanted martyrdom for himself and his mother afterall.

The reason that the Hafsa issue lasted so long unresolved had local and